یا مجیب السائلین

اور اب اس کا کرو گے کیا؟ امامہ نے اپنے بیڈ پر سالار اور اپنے درمیان پر سکون گہری نیند میں خراٹے لیتی چنی
کو دیکھتے ہوئے سالار سے پوچھا جو بیڈ کے دوسری جانب نیم دراز تھا اور وہ بھی اس وقت چنی ہی کو دیکھ رہا تھا جو اس
بات سے مکمل طور پر بے خبر اور بے نیاز تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔
زندگی میں پہلی بار کسی نے محبت اور شفقت کے ساتھ اس کا پیٹ بھر جانے تک اسے کھانا کھلایا تھا اور وہ بے
حد رغبت سے امامہ اور حمین کے ہاتھوں سے لقمے لے لے کر کھاتی رہی تھی۔ خاص طور پر حمین کے ہاتھوں
سے جو بہت ضد کر کے اس کار خیر میں شامل ہوا تھا۔

"او! مائی گاڈ!" حمین نے اپنے ہاتھ میں پکڑا پہلا ہی لقمہ کھانے پر جیسے خوشی اور جوش کے عالم میں اپنے
مخصوص انداز میں چیخ مارتے ہوئے نعرہ لگایا تھا۔

"Mummy She Likes Me" (ممی یہ مجھے پسند کرتی ہے) اس نے ٹماٹر کی طرح سرخ ہوتے ہوئے امامہ
کے کانوں میں وہ "سرگوشی" کی تھی جو لاؤنج میں بیٹھے ہر شخص نے سنی تھی۔ چھ فٹ دور بیٹھے جبریل نے ایک
کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے ایک لمحہ کے لیے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر بے حد تحمل سے اگلا صفحہ پلٹتے
ہوئے ایک جوابی "سرگوشی" کی۔

"She is the only one who Likes You".
"صرف یہی تمہیں پسند کرتی ہے۔"

امامہ نے حمین کے انکشاف کو اسی طرح نظر انداز کیا تھا جس طرح حمین نے جبریل کے تبصرے کو۔ وہ اس
وقت چنی کو کھانا کھلانے میں مصروف تھا اور یہ ایک "اہم" ترین کام تھا جو اسے سونپا گیا تھا۔
چنی پلکیں جھپکائے بغیر حمین اور امامہ کو باری باری دیکھتے ہوئے ان کے ہاتھ سے کھانا کھاتی رہی تھی۔ بے حد
سکون اور اطمینان سے۔ جو حیران کن تھا۔ اور وہ سکون اور اطمینان اس وقت بھی اس کے وجود سے جھلک رہا تھا جو
نیند میں تھا اور جسے دیکھتے ہوئے سالار بے حد گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس نے کچھ دیر پہلے ہی امامہ کو اس کے اور اس کے باپ اور خاندان کے حوالے سے پیش آنے والے تمام
حالات و واقعات کو اپنے احساس جرم کے ساتھ آگاہ کیا تھا اور چنی کے لیے امامہ کی ہمدردی اور ترس میں بے پناہ
اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اہم ترین سوال وہی تھا جو امامہ نے پوچھا تھا۔

"میں اسے کسی Orphanage (یتیم خانہ) یا ویلفیئر ہوم میں داخل کروانے کے لیے لے کر آیا ہوں۔ جو کچھ
اس کے ساتھ ہوا ہے۔ مجھ پر اتنی ذمہ داری تو آتی ہے کہ میں اس کی زندگی خراب ہونے نہ دوں۔ جو وہاں رہ کر
ہو جائے گی جہاں یہ تھی۔" سالار نے بے حد سنجیدگی سے امامہ سے کہا۔

"تم احساس جرم کا شکار ہو رہے ہو؟" اس کے اعتراف کے باوجود امامہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہاں۔ جو کچھ اس کے باپ نے اپنے خاندان کے ساتھ کیا' اس میں' میں بھی قصوروار ہوں۔ تھوڑی سی
زیادہ کنسرن دکھا دیتا میں تو یہ سب نہ ہوتا جو ہو گیا۔" سالار اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ امامہ نے اس کا ہاتھ
تھپکا۔

"تم اسے اپنے پاس رکھ کر کسی (یتیم خانہ) میں داخل نہیں کروا سکتے' خاص طور پر اس صورت حال میں جب
اس کے رشتہ دار موجود ہیں اور کورٹ نے انہیں اس کی گارڈین شپ بھی دے رکھی ہے۔ وہ تمہارے خلاف
قانونی کارروائی کر سکتے ہیں۔"

امامہ نے جیسے اسے خبردار کیا تھا۔

"مجھے پروا نہیں ہے اس کا بھی کچھ نہ کچھ انتظام کرلوں گا میں۔۔۔ فی الحال تو میں نے اپنی لیگل ٹیم سے کہا ہے کہ وہ اس کے بارے میں مجھے ایڈوائس کریں۔۔۔ کورٹ کو اپروچ کیا جاسکتا ہے۔ اس بچی کے لیے۔ گارڈین شپ بدلی جاسکتی ہے۔ کوئی بہتر رشتہ دار ڈھونڈا جاسکتا ہے یا پھر کسی ویلفیئر ہوم کو اس کی ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے۔"

وہ امامہ سے کہہ رہا تھا اور اس ساری گفتگو کے دوران سالار سکندر نے ایک لحہ کے لیے بھی اس بچی کو گود لینے کے آپشن پر سوچا ہی نہیں تھا' وہ صرف اس بچی کی بہتر نگہداشت چاہتا تھا اور اس کے لیے روپیہ خرچ کرنے پر تیار تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ پاکستان میں قیام کے دوران ہی چنی کے لیے کوئی بہتر جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

یہ خیال پہلی بار اس گھر میں حمین کو آیا تھا جو دوسرے دن امامہ سے چنی کا نام پوچھنے کی جدوجہد کررہا تھا۔

"مجھے یاد ہی نہیں رہا تمہارے بابا سے اس کا نام پوچھنا۔"

امامہ کو اس کے استفسار پر یاد آیا۔ سالار اس وقت گھر پر نہیں تھا۔ چنی' امامہ اور تینوں بچوں کے ساتھ لاؤنج میں تھی جہاں وہ عنایہ کے تھمائے ہوئے کچھ کھلونوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی۔ اس کے سر اور جسم پر موجود الرجی پر اب وہ کریم لگی ہوئی تھی جو امامہ تھوڑی دیر پہلے اسے ڈاکٹر کو دکھا کر تشخیص کرانے کے بعد لے کر آئی تھی۔

"Can I name her (میں اس کا نام رکھ دوں؟)"

حمین نے ماں کی بات کے جواب میں اسے تجویز پیش کی۔

"نہیں ہم یہ نہیں کرسکتے۔" اس سے کچھ فاصلے پر ایک کتاب پڑھتے ہوئے جبریل نے جیسے اسے لگام ڈالنے کی کوشش کی۔

"کیوں؟" حمین نے اپنا پورا منہ اور آنکھیں بیک وقت پوری طرح کھول کر انہیں گول کرتے ہوئے تعجب کی انتہا پر پہنچتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ اس کا پہلے ہی ایک نام ہے۔" جبریل نے اسی ٹھنڈے انداز میں اس کے سوال کا جواب ایسے دیا جیسے اسے حمین کی کم عقلی پر افسوس ہورہا ہو۔

"تمہیں اس کا نام پتا ہے؟" تڑاق سے اگلا سوال جبریل کی طرف اچھالا گیا۔

"نہیں۔۔۔" جبریل گڑبڑایا۔ "مجھے اس کا نام نہیں پتا۔"

حمین نے اسی انداز میں اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسی ڈرامائی انداز میں کہا۔ "ممی اس کا نام نہیں جانتیں۔" وہ اب امامہ کی طرف متوجہ تھا۔ جو عنایہ کے لیے کچھ ڈرائنگ کررہی تھی۔ "عنایہ کو اس کا نام نہیں پتا۔" اس نے اب اپنے دونوں ننھے ننھے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو پھیلایا۔ "اوہ! پوری دنیا میں کسی کو بھی اس کا نام نہیں معلوم!"

وہ جیسے عدالت میں اس کا کیس لڑنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگارہا تھا۔

"اور تم۔۔۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اس کا کوئی نام ہو؟"

اس کے انداز میں اس قدر ملامت تھی کہ ایک لحہ کو جبریل کو بھی مدافعانہ انداز اختیار کرنا پڑا۔۔۔ وہ بری طرح گڑبڑایا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"میں نے خود سنا ہے۔" حمین نے اپنے سینے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں مکمل

طور پر گول کرتے ہوئے اہم گواہ کا رول ادا کیا۔
جبریل نے فوری طور پر اپنا چہرہ کتاب کے پیچھے چھپانے میں عافیت سمجھی تھی۔ وہ اس چھوٹے بھائی کو تب چپ نہیں کروا سکا تھا جب اسے بولنا نہیں آتا تھا اور اب چپ کرواتا؟

"حمین! اس کے پیرنٹس نے اس کا کوئی نہ کوئی نام ضرور رکھا ہوگا۔ وہ اتنی بڑی ہے۔"
امامہ نے اس بار مداخلت کرنی ضروری سمجھی۔ حمین کو اس کی بات پر جیسے کرنٹ سا لگ گیا۔
"پیرنٹس!" اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی تھی۔ جبریل کو کتاب ہٹا کر اسے دیکھنا پڑ گیا۔ "وہ! مائی گاڈ"
حمین کی آواز صدمہ زدہ تھی۔ "پھر یہ ان کے پاس کیوں نہیں ہے؟"
اس نے اسی صدمے میں امامہ سے جیسے احتجاجاً کہا تھا اور یہ وہ سوال تھا جس کا جواب امامہ نہیں دے سکی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سوال کے جواب میں چنی کے خاندان کے بارے میں اسے کیا بتائے
اس کی خاموشی نے حمین کو جیسے اور بے تاب کیا۔
"کیا اس کا کوئی بھائی یا بہن بھی نہیں ہے؟"
"نہیں! اس کا کوئی نہیں ہے۔" امامہ نے جواب دیا۔ حمین کا چہرہ کھل اٹھا۔
"تب تو میں اس کا نام رکھ سکتا ہوں۔" گفتگو جہاں سے شروع ہوئی تھی گھوم پھر کر وہیں آ گئی تھی۔ حمین اپنی کوئی بات نہیں بھولتا تھا۔ یہ اس کے ماں باپ کی بدقسمتی تھی۔
"او کے۔ تم اس کا نام رکھ لو۔" امامہ نے جیسے ہاتھ جوڑنے والے انداز میں اس کے سامنے ہتھیار ڈالے اور دوبارہ عنایہ کی ڈرائنگ کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"ممی! کیا یہ ہمارے ساتھ رہے گی؟" حمین نے ایک اور سوال سے اسے مشکل میں ڈالنا ضروری سمجھا۔
"نہیں۔" امامہ نے اسی طرح کام میں مصروف اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔
"کیوں؟" حمین نے جیسے چیخ نما انداز میں سوال کیا۔ امامہ صرف گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ حمین کے پاس سوال ختم ہو جائیں یا وقتی طور پر کسی وقت رک جایا کریں۔
"جب تمہارے بابا آئیں گے تو ان ہی سے پوچھنا۔" اس نے بلا کو اپنے سر سے ٹالنے کی کوشش کی۔
"ممی! کیا ہم اس کو اڈاپٹ کر سکتے ہیں۔" امامہ کا دماغ گھوم گیا تھا اس سوال پر۔
"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" کوئی دوسری صورت حال ہوتی تو وہ اس سوال پر ہنس پڑتی لیکن محمد حمین سکندر نے اپنے ماں باپ کی حس مزاح کو ختم کر دیا تھا۔ ان کی برداشت کے پیمانے کے ساتھ ساتھ۔
"تم اسے اڈاپٹ کیوں کرنا چاہتے ہو؟" جبریل نے جیسے ہول کر کہا تھا۔
"کیونکہ مجھے ایک بے بی چاہیے۔"
اس نے بے حد نروٹھے انداز میں کسی سے نظریں ملائے بغیر اعلان کیا۔ جبریل جیسے غش کھا گیا تھا۔ امامہ دم بخود اپنے ساڑھے تین سالہ بیٹے کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی جبکہ لاؤنج میں آتے ہوئے سکندر عثمان اپنی ہنسی پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔ حمین نے سکندر عثمان کو اندر آتے اور ہنستے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر جا کر ان کی ٹانگوں سے لپٹا اور اس نے وہ مطالبہ ایک بار پھر پیش کیا۔
"ایک دن آئے گا جب بے بی آپ کے پاس ہوگا۔" انہوں نے اسے تھپکتے ہوئے تسلی دی۔
"ایک دن؟" حمین کی آنکھیں عادتاً گول ہوئیں۔ "آج کیوں نہیں؟"
اس نے ضد کی۔ سکندر عثمان نے زمین پر بیٹھی کھلونوں سے کھیلتی ہوئی چنی کو دیکھا جتنا ترحم اور احساس جرم سالار سکندر کے دل میں چنی کے لیے تھا اتنا ہی ترحم سکندر عثمان کے دل میں اس بچی کے لیے تھا۔ وہ جیسے ان

دونوں کا مشترکہ احساس جرم تھی۔

"بیٹا! اسے واپس جانا ہے۔ وہ آپ کی بے بی نہیں ہو سکتی۔" سکندر عثمان نے اب حمین کو سمجھانے کی کوشش کا آغاز کیا۔

"اسے کہاں جانا ہے؟" حمین کو سکندر عثمان کی بات پر ایک نیا جھٹکا لگا۔ وہ جیسے ہکا بکا انداز میں جنی کو دیکھنے لگا۔ "اپنی فیملی کے پاس۔" سکندر عثمان نے مختصراً" کہا۔ وہ اسے یتیم خانہ کے بارے میں بتانا نہیں چاہتے تھے' نہ جنی کے حوالے سے مزید سوالوں کا پنڈورا باکس کھولنا چاہتے تھے لیکن انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ان کا سوال اس صورت حال میں غلط ہو گیا تھا۔

"لیکن ممی نے تو کہا تھا اس کی کوئی فیملی نہیں ہے۔"

سکندر عثمان نے امامہ کو دیکھا۔ امامہ نے انہیں۔ "آپ کے بابا اس کو کسی نرسری میں داخل کرانا چاہتے ہیں۔" امامہ نے اس کے لیے ایک جواب ڈھونڈا۔

"یہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتی۔ ہمارا گھر اتنا بڑا ہے۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر "اتنا" پر زور دیا۔

سوال بے ساختہ تھا اور جواب بھی اسی میں تھا۔ بچے بعض دفعہ وہ حل چٹکی بجاتے پیش کر دیتے ہیں جن سے بڑے آنکھیں چراتے پھر رہے ہوتے ہیں۔ حمین کا یہ "حل" سالار سکندر نے بھی سنا جو اس وقت چند یتیم خانوں کا معلوماتی میٹریل اٹھائے لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا لیکن اس وقت حمین کا یہ حل ان سب کو حمین کی بچکانہ ضد اور فینٹسی سے زیادہ کچھ نہیں لگا تھا۔ وہ ابھی دو ہفتے اور پاکستان میں تھا اور وہ ان دو ہفتوں میں جنی کے حوالے سے کوئی فیصلہ کر لینا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے وہ اس کے رشتہ داروں سے کورٹ کے ذریعے جنی کی گارڈین شپ لینے کے لیے مالی معاملات طے کرنے میں مصروف تھا۔

"یہ ہمارا گھر نہیں ہے۔ یہ آپ کے دادا ابو کا گھر ہے۔" اندر آتے ہوئے سالار نے اس کے سوال کا جواب پیش کیا۔

حمین سوچ میں پڑا۔

"آپ کے بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" امامہ نے جیسے اس کی خاموشی پر سکون کا سانس لیا۔ "ہمارے پاس گھر نہیں ہے۔" حمین الجھا۔ "یہ ہمارے ساتھ کنشاسا میں رہ سکتی ہے۔" حمین کو کنشاسا والے گھر کا خیال آیا۔

"لیکن وہ بھی ہمارا گھر نہیں ہے۔ ہم اسے جلد چھوڑ دیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ایک سال میں۔"

سالار نے بے حد سنجیدگی سے اس کے ساتھ یوں بات کرنا شروع کر دی جیسے وہ کسی بڑے آدمی سے بات کر رہا ہو۔ اس کے تینوں بچے غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے اور یہ ان کے جینز میں ودیعت ہوئی تھی مگر یہ غیر معمولی ذہانت جو جبریل اور عنایہ کی شکل میں انہیں نعمت لگی تھی' حمین کی شکل میں مصیبت بن گئی تھی۔

حمین ابھی بھی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ جیسے جنی کے لیے ایک گھر کی تلاش میں تھا جہاں اسے رکھا جا سکتا اور امامہ کو گھر کے ذکر پر جیسے اپنا گھر یاد آ گیا تھا۔ "ہمارے پاس ہمارا اپنا گھر کیوں نہیں ہے؟"

"ہمارا اپنا گھر ہو گا۔" امامہ نے حمین کو جیسے بہلایا۔

"کب۔"

"بہت جلد۔"

امامہ چائے بنا کر سالار اور سکندر عثمان کو پیش کر رہی تھی جو ملازم چند لمحے پہلے رکھ کر گیا تھا۔

"اسی لیے منع کرتا تھا میں کہ فضول خرچیاں مت کرو۔ وقت پر ایک گھر بنا لو۔ جیسے تمہارے سارے بھائیوں نے بنا لیے۔" سکندر عثمان کو اس موضوع گفتگو سے وہ پلاٹ اور وہ انگوٹھی یاد آ گئی۔

"وہ پلاٹ اس وقت ہوتا تو چار پانچ کروڑ کا ہو چکا ہوتا۔ اس رنگ کی اس وقت کی مارکیٹ پرائس سے ڈبل۔"
سکندر عثمان نے روانی سے کہا۔ اپنے لیے چائے ڈالتی امامہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی۔ اُبھی۔
"کس رنگ کی؟" اس نے جیسے حیران ہو کر سکندر عثمان سے پوچھا۔
"جو رنگ تم نے پہنی ہوئی ہے۔" سکندر عثمان نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ سالار کو غلطی کا احساس ہوا۔ اسے سکندر کو اس موضوع پر آنے سے پہلے موضوع بدل دینا چاہیے تھی لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ امامہ نے بے یقینی سے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھا۔ پھر سالار کو پھر سکندر عثمان کو۔"
"یہ پلاٹ بیچ کر آئی ہے؟"
"ہاں۔ ایک کروڑ 37 لاکھ کی۔ ذرا سوچو دس گیارہ سال پہلے وہ پلاٹ نہ بکتا تو آج وہ اسلام آباد میں جس جگہ پر ہے اس سے چار پانچ گنا قیمت ہو چکی ہوتی۔ رنگ تو اتنی قیمتی نہیں ہو سکتی وقت کے ساتھ۔"
سکندر عثمان نے نہ امامہ کے تاثرات پر غور کیا تھا' نہ سالار کے۔ وہ روانی میں چائے پیتے ہوئے بات کہتے چلے گئے تھے۔ امامہ ساکت اور دم بخود سالار کو دیکھ رہی تھی جو اس سے نظریں چرائے چائے پینے میں مصروف تھا۔ وہ اس وقت یہی کر سکتا تھا۔ کمرے میں یک دم اپنی بات کے اختتام پر چھانے والی خاموشی سے سکندر عثمان کو لگا کچھ ٹھیک نہیں ہے۔
چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے وہ رکے' انہوں نے ساکت بیٹھی امامہ کو دیکھا' جو سالار کو گھور رہی تھی اور پھر سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں انہیں اس خاموشی کی وجہ سمجھ میں آگئی۔
"اسے اب بھی نہیں پتا؟" انہوں نے بے یقینی سے اپنے بیٹے سے پوچھا جس نے کپ سامنے پڑی ٹیبل پر رکھتے ہوئے بڑے تحمل سے کہا۔
"اب۔ پتا چل گیا ہے۔" سکندر عثمان کی سمجھ میں نہیں آیا' وہ فوری طور پر اس انکشاف کے بعد کس ردعمل کا اظہار کرتے جو ایک راز کو غیر ارادی طور پر افشا کرنے پر ان کی شرمندگی کو چھپا لیتا۔
امامہ نے اپنے ہاتھ کی پشت کو پھیلا کر اس انگوٹھی کو دیکھا۔ پھر سکندر عثمان کو۔ پھر سالار کو۔ وہ اگر کہتا تھا کہ وہ انمول تھی تو غلط نہیں کہتا تھا۔ اس کی زندگی میں بہت سارے لمحے آئے تھے جب اس کا دل بس سالار کے گلے لگ جانے کو چاہا تھا۔ کسی لفظ' کسی اور اظہار کے بغیر۔ احسان مندی اور تشکر کے لیے دنیا میں موجود سارے لفظ کبھی کبھی اس جذبے اور احساس کو کسی دوسرے تک پہنچانے کے لیے چھوٹے پڑ جاتے ہیں جو انسان کے اندر سے کسی دوسرے کے لیے کسی چشمے کی طرح ابلتا ہے۔ اس کا دل بھی اس وقت سالار سے صرف لپٹ جانے کو چاہا تھا۔ بچوں کی طرح۔ وہ زندگی میں کتنی بار اسے اس طرح کونگا کرتا رہے گا۔
اس نے سامنے بیٹھے اس شخص کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا جو اس کی زندگی کی کتاب کا سب سے خوب صورت ترین باب تھا۔ یہ اس انگوٹھی کی قیمت نہیں تھی۔ جس نے امامہ ہاشم کی زبان سے لفظ چھین لیے تھے۔ یہ دینے والے شخص کی بے لوث محبت تھی جس کے سامنے امامہ کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ کیا کہتی۔ وہ سالار سکندر سے کیا کہہ سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم نے رنگ اتار دی؟" اس رات سالار امامہ کے ہاتھ میں اس رنگ کو نہ پا کر پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔
"میں بے وقوف نہیں ہوں کہ اتنی قیمتی رنگ ہر وقت پہنے پھروں۔" امامہ نے اسے جواباً کہا۔ وہ اپنے فون پر کچھ ٹیکسٹ میسجز چیک کرنے میں مصروف تھی۔ سالار ٹی وی پر کوئی نیوز چینل لگائے بیٹھا تھا' جب چینل

سرفنگ کرتے ہوئے اس کی نظر امامہ کے ہاتھ پر پڑی تھی جو اس کے قریب صوفے پر بیٹھی اپنے فون میں گم تھی۔
"تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھی اس کی قیمت۔" اس نے سالار سے کہا۔
"صرف اسی خدشے کے تحت نہیں بتایا تھا تمہیں۔ اور دیکھ لو میرا اندازہ ٹھیک تھا۔ تم اسے بھی اب لاکر میں رکھوا دو گی۔"

سالار کچھ ناخوش سا دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک لمحہ کے لیے امامہ خاموش رہی' پھر اس نے کہا۔
"تو اور یہاں رکھوں۔ ساتھ لیے پھرنا بے وقوفی ہے' گم ہو جائے تو؟ مجھے پہلے بھی اس کے گم ہونے کا اتنا صدمہ ہوا تھا اور اب تو۔ ہارٹ اٹیک ہی ہو جائے گا مجھے جو ایک کروڑ سے بھی مہنگی انگوٹھی میں گم کر دوں۔"
"تقریباً سوا دو کروڑ۔" سالار ٹی وی پر نظریں جمائے بڑبڑایا۔ امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔
"کیا۔؟"

"اس کی موجودہ قیمت۔" وہ اسی انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر بولا۔
"اسی لیے تو نہیں پہن رہی۔ بے وقوفی کی ویسے۔" اس نے ایک ہی سانس میں کچھ توقف کے بعد کہا۔
"کیا؟" سالار اس بار اس کی طرف متوجہ ہوا۔
"ایک پلاٹ بیچ کر انگوٹھی خریدنا۔ اور وہ بھی اتنی مہنگی۔ میں تمہاری جگہ ہوتی تو کبھی نہ خریدتی۔"
"اسی لیے تم میری جگہ نہیں ہو امامہ۔" سالار نے جتانے والے انداز میں اسے کہا۔ وہ نادم ہوئی تھی لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا۔
"وہ پلاٹ ہوتا تو آج اسے بیچ کر گھر بنا چکے ہوتے ہم۔" اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سالار سے کہا۔
"تمہارے خوابوں کا ایکڑوں پر پھیلا ہوا گھر چند کروڑ میں بن جاتا؟"
وہ اب اسے چڑانے والے انداز میں کچھ یاد دلا رہا تھا اور امامہ کو ایک جھماکے کے ساتھ وہ اسکریپ بک یاد آئی' جس میں اس نے اپنے ممکنہ گھر کی ڈھیروں ڈرائنگز بنا رکھی تھیں۔ گھر کے نقشے ہی نہیں کمروں کی کلر اسکیم تک۔ گھر کے اندر کی سجاوٹ کی تفصیلات تک۔ اور وہ اسکریپ بک گھر کے بہت سے دوسرے سامان کے ساتھ سکندر عثمان کے گھر کی اوپری منزل کے دو کمروں میں اسٹور کیے ہوئے سامان کے ساتھ کہیں رکھی ہوئی تھی۔ دس سال پہلے امریکہ شفٹ ہونے کے بعد وہ اسکریپ بک اس کے پاس تھی لیکن وہاں سے کانگو جانے سے پہلے وہ اپنا کچھ سامان پاکستان چھوڑ گئی تھی اور اس میں وہ اسکریپ بک بھی تھی اور شاید اس کی قسمت میں بچنا تھا۔ اس لیے وہ بچ گئی تھی ورنہ کانگو میں پڑے اس کے باقی سامان کے ساتھ جل کر خاک ہو چکی ہوتی۔
"اچھا کیا مجھے یاد دلا دیا۔ میں تو کل ہی وہ اسکریپ بک نکالتی ہوں۔ مدت ہو گئی اسے دیکھے اور اس میں کچھ add کیے۔"

امامہ کا ذہن برق رفتاری سے انگوٹھی سے ہٹ کر گھر پر چلا گیا تھا اور پتا نہیں کیا ہوا' ٹی وی دیکھتے دیکھتے سالار کو امریکہ میں خریدے اور پھر بیچ دیے جانے والے اس گھر کا خیال آیا تھا۔ جس کے بارے میں اس نے امامہ کو بتایا تک نہیں تھا۔
"تمہیں ایک چیز دکھاؤں؟" سالار نے ریموٹ کا میوٹ کا بٹن دباتے ہوئے ٹی وی کی آواز بند کی اور سامنے ٹیبل پر پڑے اپنے لیپ ٹاپ کو اٹھا لیا۔
"کیا؟" وہ دوبارہ اپنے سیل فون کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے چونکی۔
سالار اب لیپ ٹاپ کھول کر اس میں سے تصویروں والے حصے میں جا کر اس گھر کی تصویریں ڈھونڈ رہا تھا اور وہ چند منٹوں کی جدوجہد کے بعد اسکرین پر نمودار ہو گئی تھیں۔

"یہ کیا ہے؟" امامہ نے ایک کے بعد ایک اسکرین پر نمودار ہونے والی ان تصویروں کو دیکھتے ہوئے سالار کو دیکھا۔

"ایک گھر۔ ایک جھیل۔ اس کے گرد پھیلا لان۔"

وہ اس کی بات پر ہنسی۔

وہ تو مجھے نظر آرہا ہے۔ لیکن کس کا گھر ہے؟

اس نے سالار سے پوچھا "اور مجھے کیوں دکھا رہے ہو؟"

"تم نے کبھی پہلے یہ تصویریں دیکھی ہیں؟" سالار نے ایک لمحہ کے لیے ٹھٹھک کر اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ کیوں؟" امامہ نے اس کے سوال پر کچھ حیران ہو کر پوچھا۔

"جب حمین پیدا ہوا تھا اور میں تمہارے پاس امریکہ سے آیا تھا تو تم نے مجھے بتایا تھا کہ اس رات تم نے خواب میں ایک گھر دیکھا تھا کیا وہ گھر ایسا تھا؟ تمہیں وہ خواب یاد ہے نا؟" سالار نے اس سے پوچھا۔

"ہاں یاد ہے۔" وہ ایک لمحہ کے لیے ٹھٹھکی "لیکن وہ گھر ایسا نہیں تھا۔ وہ جھیل بھی ایسی نہیں تھی۔" امامہ نے جیسے اپنی یادداشت پر زور دیا۔ "خواب بے شک پرانا تھا لیکن تخیل کبھی پرانا نہیں ہوتا۔" اور یہ کہ کر اس نے جیسے سالار کے احساس جرم کے غبارے کی ہوا نکال دی تھی وہ بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"کیوں تم کیوں پوچھ رہے ہو یہ سب؟ اور یہ کس کا گھر ہے؟" امامہ کو اب الجھن ہوئی۔

"تمہارے لیے خریدا تھا۔" سالار نے ایک بار پھر ان تصویروں کو سکرول کرنا شروع کردیا۔

امامہ کو اس کی بات پر جیسے جھٹکا لگا تھا۔ "کیا مطلب؟ میرے لیے؟"

"ہاں تمہارے لیے mortgage کیا تھا امریکہ میں۔ تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا تمہاری برتھ ڈے پر گفٹ کر کے لیکن۔"

وہ اب ان تصویروں کو باری باری دیکھتے ہوئے بات کرتے کرتے آخری تصویر پر جا کر رکا۔

"لیکن۔۔۔؟" امامہ نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"لیکن پھر میں نے اسے بیچ دیا کانگو دوبارہ آنے سے پہلے۔" سالار نے تصویروں کے فولڈر کو بند کر کے اسے ڈیلیٹ کرتے ہوئے کہا۔ "سود سے میں دنیا میں تو گھر لے سکتا تھا۔ جنت میں گھر نہیں لے سکتا تھا۔"

اس نے لیپ ٹاپ اسکرین سے نظریں ہٹا کر امامہ کو دیکھا اور عجیب انداز میں مسکرایا۔ شرمندگی' ندامت' بے چارگی۔۔۔ سب کچھ تھا اس مسکراہٹ میں۔۔۔ یوں جیسے کسی نے ہتھیار ڈالے ہوں۔

"تم لے بھی لیتے تو بھی میں اس گھر میں کبھی نہ جاتی۔ صرف ایک گھر ہی کی تو فرمائش کی ہے تم سے پوری زندگی میں۔۔۔ وہ بھی حرام کے پیسے سے بنا کر دیتے مجھے۔" امامہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہارے خوابوں کا گھر بنا کر دینا چاہتا تھا۔ ایکڑوں پر پھیلا۔ جھیل کے کنارے۔ سمر ہاوس اور گیسٹ ہاوس والا۔" سالار نے ٹھنڈی سانس لی اور جلد بنانا چاہتا تھا۔ بڑھاپے تک پہنچنے سے پہلے۔" اس نے لیپ ٹاپ بند کردیا۔

امامہ نے سر جھٹکا "تم واقعی بے وقوف ہو۔۔۔ میرے خوابوں کے گھر کی اینٹیں حرام کے پیسے سے رکھی جائیں یہ خواہش نہیں کی تھی میں نے۔۔۔ اور ایکڑوں کا گھر تم سے کہا تھا لیکن دعا تو اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں کہ وہ اس کو تکمیل کرے اور اتنے وسائل دے۔۔۔ تم سے ایک بار بھی میں نے نہیں کہا کہ اتنا کماؤ یا اسی سال گھر کھڑا کر کے دو۔ اتنے سالوں میں ایک بار بھی تم سے ضد کی کہ اس سال ضرور' لے کر ہی دو گھر۔۔۔ کبھی بھی یاددہانی نہیں کرائی میں نے۔۔۔ پھر کیوں جلدی تھی تمہیں اس گھر کے لیے کہ تمہیں mortgage کرنا پڑا۔"

اسے افسوس ہو رہا تھا۔ "تم نے کبھی مجھ سے نہیں کہا۔ مجھے ریمانڈر نہیں دیے لیکن مجھے پتا تو تھا نا کہ تمہاری

خواہش ہے یہ۔ میں چاہتا تھا میں تمہاری یہ خواہش پوری کروں۔۔۔ تم نے صرف ایک چیز مانگی تھی مجھ سے۔ اس لیے۔"

وہ اس سے کہتا جا رہا تھا۔ امامہ ہنس پڑی۔

"تم خواب دیکھ رہے ہو سود سے پاک ایک اسلامی مالیاتی نظام کا جسے دنیا میں رائج کر سکو۔۔۔ اور میں خواب دیکھتی ہوں ایک ایکڑوں پر پھیلے گھر کا۔۔۔ حلال کے پیسے سے بنے ہوئے گھر کا۔۔۔ خواب تمہارا بھی اللہ ہی پورا کر سکتا ہے اور میرا بھی۔۔۔ اس لیے اسے اللہ پر ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ ویسے بھی میں نے سوچا ہے وہ انگوٹھی بیچ کر اس سے کوئی پلاٹ تو لے کر رکھ ہی سکتی ہوں میں۔"

سالار نے بے حد خفگی سے اس کی بات کاٹی۔ "تم اسے بیچ دو گی؟"

وہ ہنس پڑی "نہیں۔۔۔ تم سمجھتے ہو میں اسے بیچ سکتی ہوں؟"

"ہاں!" سالار نے اسی روٹھے انداز میں کہا۔ وہ ایک بار پھر ہنس پڑی "تمہیں پتا ہے دنیا میں صرف ایک ہی مرد ہے جو میرے لیے ایسی انگوٹھی خرید سکتا ہے۔"

"اب تم رو کر مجھے جذباتی کرو گی۔" سالار نے اس کی آنکھوں میں ابھرتی نمی کو دیکھ کر حفاظتی بند باندھنے کی کوشش کی۔۔۔ اسے ٹوکا۔

"یہ انگوٹھی invaluable (انمول) ہے۔۔۔ تم invaluable (انمول) ہو۔" اس نے ٹھیک بھانپا تھا۔

امامہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

"پھر ایک بات مانو۔" سالار نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"کیا؟"

"اسے ہاتھ میں پہن لو۔"

"گم ہو جائے گی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"میں اور لے دوں گا۔" اس نے امامہ کے آنسو پونچھے۔

"تمہارے پاس اب بیچنے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔" امامہ نے آنسوؤں کی بارش میں بھی ہوش مندی دکھائی وہ ہنسا۔

"تم مجھے انسلٹ کر رہی ہو۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا باہر پڑے میٹرس پر سویا ہوا حمین جاگ گیا تھا۔ وہ دونوں بیک وقت اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ نیند میں کچھ بڑبڑایا تھا۔

"اب یہ کیا کہہ رہا ہے؟" سالار حیران ہوا۔ اس نے پہلی بار اسے نیند میں باتیں کرتے دیکھا تھا۔

"شاید تسلی نہیں ہوئی اس کی۔۔۔ کوئی بات ہوگی کرنے والی جو اس وقت یاد آئی ہوگی کرنا۔" امامہ نے گہرا سانس لے کر اٹھ کر حمین کی طرف جاتے کہا جو میٹرس پر بیٹھے آنکھیں بند کیے کچھ اس طرح بول رہا تھا جیسے کوئی ضروری بات کسی سے کر رہا ہو۔

امامہ نے اسے دوبارہ لٹا کر تھپکنا شروع کیا اور اس کے برابر میں انگوٹھا منہ میں ڈالے لیٹی ہوئی جنی کو دیکھا جو گہری نیند میں تھی۔۔۔ اس کا میٹرس حمین کے میٹرس کے برابر میں تھا۔ اگر اسے ہونے والی سن الرجی کی وجہ سے امامہ احتیاط نہ کر رہی ہوتی تو وہ جنی کو اپنے میٹرس پر ہی سلا چکا ہوتا کیونکہ وہ جنی کو ان لوگوں کی تمام کوششوں کے باوجود اپنی "لے پالک اولاد" مان چکا تھا۔

"سالار! اس کے بارے میں جو بھی طے کرنا ہے جلد کرو۔۔۔ حمین جس طرح اس سے الیچ ہو رہا ہے۔ میں

نہیں چاہتی کچھ اور وقت یہاں رہنے۔ کے بعد یہ یہاں سے جائے تو وہ اپ سیٹ ہو۔"
امامہ نے حمین کو تھپکتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر چنی پر پڑی چادر ٹھیک کرتے ہوئے سالار سے کہا۔
"صبح طے کرلو کہ اسے کہاں چھوڑ کر آنا ہے تو اسے چھوڑ آتے ہیں۔ جو دو چار ادارے مجھے مناسب لگ رہے ہیں ان کے بارے میں انفارمیشن تو لے آیا ہوں۔"
سالار نے بیڈ کی طرف جاتے ہوئے جس کام کو بہت آسان سمجھتے ہوئے امامہ کو ہدایات دی تھیں۔ وہ کام اتنا آسان ثابت نہیں ہوا تھا۔
اگلے دن وہ اس بچی کو لے کر ان چاروں اداروں میں گئے تھے جہاں وہ اسے رکھنا چاہتے تھے۔ دو اداروں نے مناسب قانونی کارروائی کے بغیر اس بچی کو فوری طور پر اپنی تحویل میں لینے سے انکار کردیا۔ جن دو اداروں نے اس بچی کو وقتی طور پر لینے پر آمادگی ظاہر کی تھی وہاں بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کے انتظامات دیکھ کر وہ دونوں خوش نہیں ہوئے۔
شام کو وہ پھر چنی کے ساتھ واپس گھر پہنچ چکے تھے اور حمین کی باچھیں چنی کو ایک بار پھر دیکھ کر کھل گئی تھیں۔ وہ صبح بھی بڑی مشکل سے ہی چنی کو رخصت کرنے پر تیار ہوا تھا اور اب چنی کی واپس آمد اس گھر میں اس کے لیے ایک بگ نیوز تھی اور چنی بھی اسے دیکھ کر کچھ اسی طرح نہال ہوئی تھی۔ وہ دن منہ سے کچھ بھی نہ بولنے کے باوجود اس کی آنکھوں کی چمک، اور چہرے کی مسکراہٹ اور کھلکھلاہٹ یہ عیاں کرنے کے لیے کافی تھی کہ اس پر بھی حمین کا سامنا کرنے پر اثر وہی ہو رہا تھا جو حمین پر ہوا تھا۔
اگلے چند دن سالار نے چنی کی کاروین شپ کے حوالے سے قانونی کارروائی کرنے اور چنی کی پیدائش اور پیدائش سے متعلقہ باقی کاغذات پورے کرنے کی کوشش کی اور جب دو تین دنوں میں وہ ان کاموں میں پھنسا رہا تو حمین نے چنی کے بارے میں یہ بھی دریافت کرلیا تھا کہ وہ "گونگی" تھی کیونکہ وہ ان تین چار دنوں میں بالکل خاموش رہی تھی۔ صرف ضرور "آ" زبان سے آوازیں نکالتی رہی تھی جو بہت محدود اور اوں آں تک محدود تھیں اور یہ چنی کے بارے میں ایک بے حد خوفناک انکشاف تھا جس نے امامہ اور سالار دونوں کو ہولا دیا تھا۔
"Mummy ! she is dumb" (ممی! یہ گونگی ہے) dumb (گونگی)۔" امامہ کو یقین نہیں آیا
حمین نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے پورا یقین ہے۔"
اس امامہ کو اس دن کی سب سے "اہم" اطلاع دی جو اس نے پچھلے چند دنوں میں چنی کی مسلسل خاموشی سے اخذ کی تھی۔
"نہیں سن تو رہی ہے۔" امامہ نے چنی سے بات کرنے کی کوشش کے بعد نتیجہ نکالتے ہوئے کہا۔ وہ ہر آواز پر متوجہ ہوتی تھی۔
"ممی! یہ امپورٹنٹ نہیں ہے۔" حمین ماں کے اطمینان پر خوش نہیں ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا اس کی اپنی تشخیص ٹھیک تھی اور اسے ہی درست سمجھا جانا چاہیے۔
"The most important thing is to talk and she can't talk"
(اہم بات بولنا ہے اور یہ بول نہیں سکتی) حمین نے اس کی معذوری پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اپنی آنکھوں میں حتی المقدور رنجیدگی اور افسوس شامل کیا۔
"The most important thing is to listen"
(سب سے اہم بات سننا ہے) امامہ نے بڑے غلط موقع پر اپنے بیٹے کو نصیحت کی کوشش کی۔ وہ چند لمحے خاموش رہ کر جیسے اس کی بات پر سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"I dont think so_ There are so many things which can listen but only few can talk_

(میں ایسا نہیں سمجھتا۔ یہاں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو سن سکتی ہیں لیکن چند ہی ایسی ہیں جو بول سکتی ہیں۔)

محمد حمین سکندر کی دانائی نے امامہ کو ہمیشہ کی طرح چاروں شانے چت گرایا تھا۔۔۔ وہ اب لان میں موجود ساری چیزیں ماں کو گنوا رہا تھا جو "سنتی" تھیں لیکن بول نہیں سکتی تھیں۔۔۔ اور ان چیزوں میں اس نے چنی اور اس کے ہاتھ میں پکڑی گڑیا کو بھی گنا تھا۔ امامہ نے ہاتھ جوڑ کر اس گنتی کو روکا تھا۔۔۔ وہ ایک چلتی پھرتی ٹاکنگ ڈکشنری تھا جو' جو لفظ سنتا جیسے ریکارڈ کر لیتا تھا اور پھر ہر اس چیز کا نام دوبارہ دہرا سکتا تھا جو وہ ایک بار سن چکا ہوتا تھا۔

چنی کے بارے میں حمین کا یہ مشاہدہ اس وقت امامہ کو احمقانہ لگا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ بچی نئے ماحول میں آنے کی وجہ سے ابھی ایڈجسٹ نہیں ہوئی اس لیے بول نہیں پا رہی۔۔۔ ہر وہ وہاں بے حد پرسکون اور مطمئن نظر آتی۔۔۔ اس کی تاریخ پیدائش جان لینے کے بعد یہ ماننا مشکل تھا کہ ڈیڑھ سال کی چنی نے کوئی لفظ ہی نہ بولا ہو۔۔۔ امامہ بچوں کا سات آٹھ ماہ کی عمر میں ٹوٹے پھوٹے لفظوں کو ادا کرنے کی صلاحیت کا مظاہرہ دیکھا تھا۔۔۔ لیکن اسے واقعی یہ اندازہ نہیں تھا جب آپ کسی کی نویں اور ان چاہی اولاد ہوں اور آپ کے گھر بھوک اور بیماری سے لے کر ہر وہ مسئلہ موجود ہو جو زمین پر کسی انسان کی زندگی جہنم بنا سکتا ہو۔ اور پھر آپ رشتہ داروں پر انحصار کرتے ہوں جہاں آپ کی زندگی کا واحد مصرف ماہانہ آنے والی رقم ہو اور اس کے علاوہ کسی کو آپ سے کوئی توقع ہو نہ آپ کی ضرورت' تو دیکھنا اور بول پانا بہت بڑی "جدوجہد" بن جاتا ہے اور یہ جدوجہد انسان بچپن سے خود نہیں کر سکتا۔۔۔

چنی کی سب سے بڑی (کامیابی) یہ تھی کہ اس نے کسی کی طرف سے انگلی پکڑ کر چلانے کی کوشش نہ کرنے کے باوجود اپنے نحیف و نزار وجود کو اپنے قدموں پر کھڑا کرنا سیکھ لیا تھا۔۔۔ بول پانا ایک دوسری جدوجہد تھی جو اسے اس گھر میں کرنی تھی۔ وہ گونگی نہیں تھی لیکن اس گھر میں آنے سے پہلے اس نے کوئی لفظ پورا ادا نہیں کیا تھا۔۔۔ ساڑھے تین سال کا بچہ اپنے ایک ساتھی بچے کو کسی بڑے کی نسبت زیادہ آسانی سے بوجھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

چنی کے نصیب میں کسی ادارے میں پرورش پانا نہیں لکھا تھا' اس کے نصیب میں سالار سکندر کے گھر میں ہی پلنا بڑھنا لکھا تھا۔ جب تک سالار قانونی معاملات کو نپٹا کر چنی کے لیے ایک ادارے کا انتخاب کرتا' چنی کو شدید نمونیہ ہو گیا تھا۔۔۔ دو دن کے بعد ان لوگوں کو واپس کانگو جانا تھا۔۔۔ ان کی تین ہفتے کی چھٹی ختم ہو رہی تھی۔ فوری طور پر جانے کے باوجود وہ چنی کو کسی ہاسپٹل یا فوسٹر ہوم میں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکے۔ ایک عجب خدشہ ان دونوں کو لاحق ہوا تھا۔۔۔ اگر اس بچی کی اچھی نگہداشت نہ ہوتی اور وہ ان کے اس طرح چھوڑ جانے پر خدانخواستہ مر جاتی تو وہ خود کو کبھی معاف نہ کر پاتے۔۔۔ سالار اور امامہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ امامہ بچوں کے ساتھ تب تک وہیں رہے گی جب تک چنی کی حالت سنبھل نہیں جاتی' سالار واپس چلا گیا تھا۔

امامہ دو ہفتے اور پاکستان میں رہی۔ چنی کی حالت سنبھل گئی تھی مگر اب وہ بچوں کے ساتھ اور خاص طور پر حمین کے ساتھ اس طرح اٹیچ ہو گئی تھی کہ وہ ان سے الگ ہونے پر تیار ہی نہیں تھی۔ سالار ان لوگوں کو پاکستان سے واپس لے جانے کے لیے آیا اور حمین کو بتائے بغیر وہ دوبارہ چنی کو ایک ادارے میں چھوڑنے گیا۔ وہ دونوں بار اس سے لپٹ کر چیخیں مار کر رونے لگی۔ وہ اس کے علاوہ کسی اور کی گود میں بھی جانے کو تیار نہیں تھی۔۔۔ وہ زبردستی

اسے تھما کر باہر نکلتا اور اس کی چیخوں کی آواز سن کر کسی عجیب کیفیت میں واپس چلا آتا۔ وہ اس کی گود میں آتے ہی یوں چپ ہو جاتی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ جیسے وہ واقعی اپنے باپ کی گود میں ہو۔

وہ جبریل کو قرآن پاک خود حفظ کروا رہا تھا اور پاکستان سے چلے جانے کے بعد وہ ہفتوں تک وہ روز اسکائپ پر جبریل کو پڑھاتا۔ پھر بچوں اور امامہ سے بات کرتا تو چنی بھی اسی ماحول کا حصہ ہوتی۔ وہ سالار کو اسکرین پر نمودار ہوتے دیکھ کر اسی طرح خوشی سے چیخیں مارتی۔ اوں آں کرتی۔ اور اس نے اپنی زندگی کا پہلا لفظ بھی سالار کے پاکستان آنے پر اسے دیکھ کر باقی بچوں کے ساتھ اس کی طرف بھاگتے ہوئے ادا کیا تھا۔ "با۔ با" وہ سالار کی طرف بھاگتے ہوئے بولتی جا رہی تھی اور اس بات کو سب سے پہلے حمین نے نوٹس کیا تھا۔

"Oh my God! she can talk"

(او خدا! یہ بول سکتی ہے)

سالار کی طرف بھاگتے ہوئے اس کے پیروں کو جیسے بریک لگ گئے۔ وہ اپنی موٹی آنکھیں گول کیے چنی کو دیکھ رہا تھا، جو اب سالار کی ٹانگوں سے لپٹی ہوئی تھی۔ سالار عنایہ کو اٹھائے ہوئے تھا اور وہ اس کی ٹانگوں سے لپٹی۔ با۔ با۔ با۔ با بولتی جا رہی تھی۔ منہ اوپر کیے ہوئے۔ چمکتی آنکھوں کے ساتھ۔ الرجی کے مندمل ہوتے ہوئے نشانات والا چہرہ اور سر پر نئے نکلتے ہوئے سیاہ بالوں کی ہلکی سی تہہ۔ اور صحت مند چہرہ۔ یہ وہ بچی نہیں تھی جسے ایک مہینے پہلے وہ مرغیوں کی گندگی کھاتے اٹھا کر لایا تھا۔

اس کے ٹراؤزر کے کپڑے کو اپنی مٹھیوں میں بھینچے، وہ اب مٹھیاں کھول کر بازو ہوا میں لہرا رہی تھی۔ سالار سکندر کی طرف۔ اس طرح کہ وہ اب اسے بھی اٹھائے گا جیسے اس نے عنایہ کو اٹھایا تھا۔ پدرانہ شفقت اگر کوئی چیز تھی تو اس وقت سالار نے چنی کے لیے وہی محسوس کی اور کس رشتے سے، یہ اس کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات کبھی بھی نہیں آسکتی تھی کہ۔ کچھ رشتے خون کے نہیں ہوتے نصیب کے ہوتے ہیں۔ سالار سکندر اور اس کا خاندان نصیب سے چنی کو ملا تھا۔

سالار نے عنایہ کو نیچے اتارا اور اپنے پیروں سے لپٹی چنی کو اٹھا لیا۔ وہ کھلکھلائی۔ اس نے عنایہ کی طرح باری باری سالار کے گال چومے پھر وہ سالار کی گردن کے گرد ہاتھ لپیٹ کر اس کے ساتھ یوں چپک گئی کہ اب نیچے نہیں اترے گی۔ وہ پہلا لمحہ تھا جب سالار کو اندازہ ہوا چنی سے الگ ہونا وقت طلب کام ہے۔ وہ کیسے ان کے گھر اور زندگیوں کا حصہ بن گئی تھی، ان میں سے کسی کو احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ سوائے حمین کے۔ جو دن میں تقریباً" تین سو بار یہ اعلان کرتا تھا۔

"That she finally has a sister"

(وہ اب اس کی بہن ہے)

چنی کے اسٹیٹس میں یہ تبدیلی جبریل کی کوششوں سے ممکن ہوئی تھی۔ جس نے کئی دن حمین کے ساتھ سر کھپانے پر اسے اس بات پر تیار کر لیا تھا کہ وہ چنی کو ایڈاپٹ کر کے اپنی اولاد بنانے کی بجائے اسے اپنی بہن بنا سکتا تھا۔ "سبلی سسٹر"

اور اب حمین کی اس بے بی سسٹر کو کسی دارالامان چھوڑنا سالار کے لیے عجیب جان جوکھوں کا کھیل بن گیا تھا۔ سالار سکندر کوئی بہت زیادہ جذباتی انسان نہیں تھا مگر اس ڈیڑھ سال کی بچی نے اسے عجیب دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

وہ واپس جانے سے پہلے امامہ کے ساتھ بیٹھ کر چنی کے لیے ہر امکان کو زیر غور لاتا رہا تھا اور ہر امکان کو رد کرتا رہا یہاں تک کہ امامہ نے کہہ ہی دیا۔

"تم اسے ایڈاپٹ کرنا چاہتے ہو؟" ان سارے امکانات میں بس یہ ایک امکان تھا جس پر سالار بات نہیں کر سکا تھا اور اب اس امکان کے امامہ کی زبان پر آنے پر وہ خاموش نہیں رہ سکا۔

"ہاں... لیکن یہ کام تمہاری مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ایڈاپٹ جو بھی کرے۔ پالنا تو تمہیں ہے تم پال سکتی ہو؟" سالار نے اس سے پوچھا۔

"اسے کون پال رہا ہے؟" امامہ نے عجیب جواب دے کر جیسے سالار کو اس مشکل سے نکال لیا۔

"اگر اس کے نصیب میں زندگی تھی تو اس کی زندگی رہی۔ اس کے نصیب میں ہمارے گھر میں ہی پرورش پانا لکھا ہے تو ہم کیسے روک سکتے ہیں۔ شاید اس میں اس کی اور ہماری کوئی بہتری لکھی ہوگی۔"

امامہ نے سالار سے کہا تھا لیکن جو اس نے سالار سے نہیں کہا تھا' وہ یہ تھا کہ وہ سالار کے لاشعور میں موجود اس احساس جرم کو ختم کرنا چاہتی تھی جو چنی کی فیملی کے ساتھ ہونے والے حادثے سے پیدا ہوا تھا۔ اگر اس بچی کی اچھی تعلیم و تربیت کوئی کفارہ ہو سکتا تھا تو امامہ ہاشم اپنے شوہر کے لیے یہ کفارہ ادا کرنے کو تیار تھی۔

چنی کو ایڈاپٹ کرتے ہوئے سالار سکندر نے اس کو اپنی ولدیت بھی دی تھی۔۔۔ اس بچی کو ایڈاپٹ کرتے ہوئے سالار سکندر کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ بچی کفارہ نہیں تھی۔

رئیسہ سالار' اپنے نصیب میں اور اپنے سے منسلک ہر شخص کے نصیب میں خوش نصیبی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی۔۔۔ وہ ہما تھی۔ خوش نصیبی کا وہ پرندہ جو جس کے بھی سر پر بیٹھتا' اسے بادشاہ بنا دیتا اور اسے ایک بادشاہ ہی کی ملکہ بنتا تھا۔

☼ ☼ ☼

کانگو کا آخری سال سالار سکندر کے لیے کئی حوالوں سے بے حد ہنگامہ خیز رہا تھا۔ وہ ورلڈ بینک کے ساتھ اپنے آخری سال میں اپنے سارے معاملات کو وائنڈ اپ کر رہا تھا اور اس کی زندگی کے آدھے دن' رات جہاز پر سفر کے دوران گزر رہے تھے اور ان ہی روز و شب میں اس کی ملازمت کا دورانیہ ختم ہونے سے چند ہفتے پہلے اسے واشنگٹن بلایا گیا تھا۔ اور امریکی حکومت نے اسے ورلڈ بینک کے صدر کے عہدے کی پیش کش کی تھی۔۔۔ وہ آفر جو پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے اسے بلاواسطہ کی جاتی رہی تھی اور وہ اسے ایک سبز باغ سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا' وہ ایک ٹھوس حقیقت بن کر اس کے سامنے آگئی تھی۔۔۔ انکار اتنا آسان نہیں تھا جتنا سالار سمجھتا تھا۔ یہ بہت بڑی ترغیب تھی کہ اس آفر پر غور کرتا۔۔۔ وہ جس پروجیکٹ پر کام کر رہا تھا اسے اناؤنس کرنے میں کچھ وقت باقی تھا۔

ورلڈ بینک کا پہلا' کم عمر ترین مسلمان صدر۔۔۔ 42 سال کی عمر میں اس عہدے پر کام کرنے کے لیے کوئی بھی' کچھ بھی کرنے کو تیار ہو سکتا تھا۔۔۔ وہ تاریخ کا حصہ بن سکتا تھا۔۔۔ بے حد آسانی سے صرف ایک عہدے کو قبول کر لینے سے۔۔۔ سالار سکندر نے زندگی کے اس مرحلے پر ایک بار پھر یہ اعتراف کیا تھا کہ ترغیبات سے بچنا اتنا آسان کام نہیں تھا جتنا وہ اسے سمجھنے لگ گیا تھا۔

اس نے امریکہ میں ہونے والی میٹنگ اور اس آفر کے بارے میں سب سے پہلے کانگو واپس آنے پر امامہ کو بتایا تھا۔ اس کے لہجے میں ضرور کچھ ایسا تھا جس سے امامہ کھٹکی تھی۔

"تو؟" اس نے سالار سے پوچھا۔

"تو کیا؟" سالار نے اسی انداز میں کہا۔ ان دونوں نے ابھی کچھ دیر پہلے کھانا کھایا تھا اور وہ ڈنر ٹیبل پر ہی تھے۔ سالار رات گئے واپس پہنچا تھا اور ہمیشہ کی طرح نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

"تم نے کیا کہا؟" امامہ نے اس سے پوچھا۔

میں نے سوچنے کے لیے ٹائم لیا ہے۔" اس نے ڈیزرٹ کے پیالے سے ایک چمچ لیا۔ امامہ اس کے جواب سے جیسے بے حد ناخوش ہوئی۔

"سوچنے کے لیے ٹائم؟ تم انکار کر کے نہیں آئے؟" اس نے جیسے سالار کو یاد دلایا تھا۔

"انکار کیا تھا۔ قبول نہیں ہوا۔ مجھے سوچنے کے لیے کہا گیا ہے۔"

سالار نے سویٹ ڈش کا ایک اور چمچ لیا پھر پیالہ دور کھسکا دیا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو سالار؟" امامہ نے میٹھا نہیں کھایا تھا' اس کا پیالہ ویسے ہی پڑا رہا تھا۔ سالار اسے دیکھنے لگا۔ دونوں بے حد خاموشی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہے۔ پھر امامہ کی ناخوشی اور خفگی جیسے کچھ اور بڑھ گئی۔

اس نے سالار کے چہرے پر جیسے کچھ پڑھا تھا جو اسے پسند نہیں آیا تھا۔

"تم یہ آفر قبول کرنا چاہتے ہو؟" اس نے سالار سے ڈائریکٹ سوال کیا۔

"کرنی چاہیے کیا؟" سالار نے جواباً پوچھا۔

"نہیں۔" اتنا حتمی اور دو ٹوک جواب آیا تھا کہ سالار بول ہی نہیں سکا۔ اسے شاید پھر ویسے ہی جواب اور ردعمل کی توقع تھی جو اس نے نائب صدارت آفر ہونے پر اس کے سوال پر دیا تھا۔

"تمہیں یاد نہیں ہم کس مقصد کے لیے کام کر رہے ہو اور کیا کرنا چاہتے ہو؟" امامہ نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"بالکل یاد ہے۔"

"پھر الجھن کس بات کی ہے؟" امامہ نے پوچھا۔

الجھن نہیں ہے۔ صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ ابھی تھوڑا وقت چاہیے مجھے اپنے پروجیکٹ کو عملی شکل میں دنیا کے سامنے لانے کے لیے۔ ورلڈ بینک کے صدر کے طور پر کام کر لوں گا تو اس پروجیکٹ میں مجھے بہت مدد ملے گی۔ میری اور اس پروجیکٹ کی repute بہت بڑھ جائے گی۔ ڈھیروں کمپنیز اور انویسٹرز ہماری طرف آئیں گے۔ بہت سی جگہوں پر مجھے تعارف کروانا ہی نہیں پڑے گا۔"

امامہ نے اسے ٹوکا "بس صرف یہ وجہ ہے؟" وہ اسے دیکھنے لگا۔ وہ پر حتمی انداز میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ دنیا میں ان چند انسانوں میں سے تھی جن کے سامنے وہ جھوٹ بول نہیں پاتا۔ کوشش کرنے کے باوجود۔ کیونکہ وہ اس کا جھوٹ پکڑ لیتی تھی۔ پتا نہیں یہ بیویوں کی خصوصیت تھی یا صرف امامہ ہاشم کی۔

"ورلڈ بینک کے صدر کے طور پر ایک مسلمان کی تعیناتی ایک اعزاز بھی تو ہے۔" سالار نے اس بار بے حد مدھم آواز میں وہ ترغیب بھی سامنے رکھی۔

"ورلڈ بینک کیا ہے سالار۔ جن ہے۔ ہوا ہے۔ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ سود کا کام کرنے والی قوموں کا ایک اجتماع گور کیا ہے۔ کیا اعزاز والی بات ہے اس میں کہ سود کا کام کرنے والی ان قوموں کی سربراہی ایک مسلمان کے پاس ہو۔ یہ اعزاز نہیں' شرم سے ڈوب مرنے والی بات ہے کسی مسلمان کے لیے۔"

امامہ نے جیسے اسے آئینہ نہیں جوتا دکھا دیا تھا۔ وہ خفا تھی یا ناخوش تھی اور بڑے آرام سے یہ دیکھ رہی تھی کہ یہ "ترغیب" تھی جو اس کے شوہر کے قدموں کی زنجیر بن رہی تھی۔

"جس پروجیکٹ پر تم کام کر رہے ہو اس میں کامیابی تمہیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ تمہارے علم' تمہارے تجربے' تمہاری قابلیت اور ورلڈ بینک کے ساتھ منسلک رہنے والی شناخت نے نہیں۔ تم اب 40 میں آ چکے ہو۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں' وقت گزرتا جا رہا ہے۔ پانچ سال ورلڈ بینک کا صدر رہنے کے بعد تم 47 سال کے ہو چکے ہو گے۔ پھر اس کے بعد تم ایک اسلامی مالیاتی نظام پر کام کرنا شروع کرو گے؟ جب تم اپنی ساری جوانی ورلڈ بینک کو دے چکے ہو گے۔ تم یقیناً مذاق کر رہے ہو پھر۔ اپنے ساتھ۔ اور ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تم ایک

ممکنہ انقلاب کا حصہ بنائے بیٹھے ہو۔"
وہ کہتے ہوئے ٹیبل سے اٹھ گئی اور برتن سمیٹنے لگی۔
"تمہیں پتا ہے امامہ! میری زندگی کا سب سے بہترین asset (اثاثہ) کیا ہے؟" سالار سکندر نے یک دم اس سے کہا۔ امامہ اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہی۔ اس نے سالار سکندر کے کسی ممکنہ انکشاف میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ وہ اس وقت اتنی ہی بددل تھی۔
"تمہاری یہ ظالمانہ صاف گوئی۔ جو مجھے میری اوقات میں لے آتی ہے۔ تم مجھ سے امپریس کیوں نہیں ہو جاتیں۔"
سالار کے انداز میں اعترافی بے بسی۔ خراج تحسین' شرمندگی اور معصومیت بیک وقت تھا۔ امامہ اس بار رک کر اسے دیکھنے لگی۔
"میں الجھا تھا۔ tempt ہوا تھا۔ لیکن گمراہ نہیں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو' وقت گزرتا جا رہا ہے۔ چیزیں سوچ سمجھ کر صبر سے کرنی چاہئیں لیکن تاخیر سے نہیں۔"
وہ اب اپنا اعترافی بیان دے رہا تھا۔ امامہ کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔
"مجھے تم سے متاثر ہونے' تمہارے گن گانے کے لیے بنایا ہی نہیں گیا سالار۔! اس کے لیے دنیا ہے۔ مجھے تمہیں چیلنج کر کے تمہیں آگے بڑھانے کے لیے تمہارا ساتھی بنایا گیا ہے۔ یہ کام کوئی اور نہیں کر سکتا۔" وہ اب مسکراتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔
"مجھے پتا ہے اور میں اس کی قدر بھی کرتا ہوں۔" وہ پھر اعتراف کر رہا تھا۔ وہ فیصلہ جو اس کے لیے مشکل بن رہا تھا وہ اس کی بیوی نے بے حد آسان کر دیا تھا۔ وہ آسانی چاہتا تھا۔ وہ مشکل کی طلب گار تھی۔ کیونکہ ہر مشکل میں آسانی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ آفر میڈیا کے ذریعے سے منظر عام پر آگئی تھی اور ورلڈ بینک کے اگلے ممکنہ صدر کے طور پر سالار سکندر کا نام بہت سی جگہوں پر اچھالا جانے لگا تھا۔ اس کے خاندان اور حلقہ احباب کے لیے یہ بے حد فخر کا باعث بننے والی خبر تھی اور سالار سکندر کے انکار کرنے کے باوجود کہ اس نے یہ عہدہ فی الحال قبول نہیں کیا' کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ وہ اس آفر کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا تھا یا اسے انکار کرنا چاہیے۔
سکندر عثمان خاص طور پر اس کے اس فیصلے سے بالکل بھی خوش نہیں ہوئے تھے کہ وہ اس آفر کو قبول کرنے کے بجائے کہ اپنے کیریئر کی اس اسٹیج پر ورلڈ بینک سے علیحدگی اختیار کر کے کچھ اور کرے گا۔ انہوں نے سالار سکندر سے پوری تفصیلات جاننے میں بھی ذرہ برابر دلچسپی نہیں لی تھی۔ ان کا فوکس صرف اس بات پر تھا کہ وہ ورلڈ بینک کا صدر کیوں نہیں بننا چاہتا تھا۔ ایک عام باپ کی طرح وہ بھی اپنی اولاد کے لیے دنیاوی کامیابی چاہتے تھے اور وہ دنیاوی کامیابی سامنے موجود تھی۔ بس ہاتھ بڑھا کر تھام لینے تک دور۔
"تم عقل سے پیدل ہو اور ہمیشہ پیدل ہی رہو گے۔"
انہوں نے سالار کے ساتھ اپنی شدید خفگی کا اظہار میڈیا میں اس کے آفس کی طرف سے آنے والی اس خبر کے بعد کرتے ہوئے کہا تھا۔ جس میں اس کے آفس نے یہ بیان ریلیز کروایا تھا کہ وہ ورلڈ بینک کی صدارت کا عہدہ سنبھالنے میں اپنی ذاتی وجوہات کی بنا پر انٹرسٹڈ نہیں اور صرف نائب صدر کے طور پر افریقہ میں اپنی ٹرم کو مکمل کرنا چاہتا ہے۔

سالار چند دن کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا اور سکندر عثمان نے ضروری سمجھا تھا کہ وہ ایک بار اسے سمجھانے کی کوشش ضرور کرتے اور اس کوشش کے دوران سالار کی بتائی ہوئی وجہ پر وہ سیخ پا ہو گئے تھے۔ ان کی عو اولاد ساری عجیب و غریب باتیں اور کارنامے کرنے کے لیے ہی پیدا ہوئی تھی۔

"تم ورلڈ بینک کا صدر نہیں بننا چاہتے۔ وہ عہدہ جو پلیٹ میں رکھ کر تمہیں پیش کیا جا رہا ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں اس سے کہہ رہے تھے جو ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا بے حد خاموشی سے باپ کی لعنت ملامت سن رہا تھا۔

"تم سود سے پاک ایک اسلامی مالیاتی نظام بنانے کا خیالی پلاؤ پکاتے اور کھاتے رہنا چاہتے ہو۔" وہ اتنا تلخ ہونا نہیں چاہ رہے تھے جتنا تلخ ہو گئے تھے۔ تمہاری طرح ڈھیروں لوگ یہ خیالی پلاؤ بنا رہے ہیں ساری دنیا میں اور بناتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ نہ پہلے کوئی کچھ کر سکا تھا۔ نہ ہی آئندہ کچھ ہونے والا ہے۔" وہ سالار سکندر کو جیسے آئینے میں وہ عکس دکھانے کی کوشش کر رہے تھے جو ان کے خیال میں اسے کوئی دکھا نہیں پا رہا تھا۔

"اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے اس ذہنی فتور کے پیچھے امامہ کا ہاتھ ہو گا۔ اس سے مشورہ تو کیا ہو گا نا تم نے۔"

وہ بیٹے کی رگ رگ کو جانتے تھے اور اس وقت انہیں سالار کے ساتھ ساتھ امامہ پر بھی غصہ آ رہا تھا۔

"ہر نسل اسے خیالی پلاؤ سمجھے گی تو پھر یہ صدیوں تک خیالی پلاؤ ہی رہے گا۔ کسی ایک نسل سے کسی ایک فرد کو اٹھ کر اس کے لیے کچھ کرنا ہو گا۔ صرف حرام حرام کہہ کر تو ہم اس سودی نظام کے اندر نہیں جی سکتے۔" سالار سکندر کو اپنے باپ کی باتیں کڑوا لگی تھیں لیکن وہ انہیں نگلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم جانتے ہو سالار! یہ جو موجودہ نظام ہے۔ اسے ہٹانا کیوں مشکل ہے؟" سکندر عثمان نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "کیونکہ یہ افراد کا بنایا ہوا نظام نہیں ہے۔ ریاستوں کا بنایا ہوا نظام ہے۔ فلاحی ریاستوں کا۔ وہ بے شک اسلامی نہ ہوں لیکن وہ اپنے اندر اس نظام کو چلا کر کم از کم اپنے معاشرے میں لوگوں کو ایک فلاحی سسٹم دیے ہوئے ہیں۔ تم افراد کو چیلنج کر سکتے ہو' ہم ریاستوں کو چیلنج نہیں کر سکتے۔ جب تک مسلم ممالک خود ایک مضبوط اقتصادی نظام بنانے کی کوشش نہیں کرتے' جب تک اسلامی فلاحی ریاستوں کی شکل میں سامنے نہیں آتے' کچھ نہیں بدلے گا۔ کہیں بھی۔ دنیا ایسی ہی رہے گی' جیسی ہے۔

اقتصادی نظام کیا' ہر نظام صرف طاقت ور کا چلے گا۔ کمزور کی "عقل" میں کسی کو دلچسپی نہیں ہوتی۔ سکہ طاقتور کا چلتا ہے۔ یہ سود کی جنگ نہیں ہے۔ یہ قوموں کی جنگ ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ نکمے اور نااہل ہیں۔ قوم کے لیے نہیں اپنے لیے جیتے ہیں۔

اس وقت اس لیے مار کھا رہے ہیں اور کھاتے رہیں گے جب تک ایسے ہی رہیں گے۔ وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ ان کے عروج کی صدی ہے' وہ باعلم اور باعمل ہیں۔ اپنی زندگیاں اپنی قوموں کے لیے قربان کرنے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں' اس لیے وہ راج کر رہے ہیں اور راج کرتے رہیں گے جب تک ان کے اندر یہ جذبہ موجود ہے۔ ہم بددعائیں دے دے کر کسی قوم کو زوال نہیں دلا سکتے۔ ہم دہشت گرد بن کر بھی کسی قوم کے کچھ لوگ مار سکتے ہیں' کچھ عمارتیں تباہ کر سکتے ہیں۔ خوف پھیلا سکتے ہیں۔ لیکن دنیا پر اپنی حاکمیت قائم کرنے کے لیے ہمیں مغربی اقوام سے بڑھ کر باعمل ہونا پڑے گا۔ اور یہ مقابلہ بہت مشکل ہے اور یہ مقابلہ افراد نہیں کرتے' اقوام کرتی ہیں متحد ہو کر۔"

سکندر عثمان نے جو بھی کہا تھا ٹھیک کہا تھا۔ سالار سکندر بھی کچھ سال پہلے تک ایسے ہی سوچتا تھا اور اس کی سوچ آج بھی وہی ہوتی تو وہ باپ کی ہاں میں ہاں ملاتا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ جب تک کسی قوم کے افراد صرف اپنے لیے جئیں اور مریں گے تب تک کچھ نہیں بدلے گا۔ جب لوگ قوم کے لیے سوچنا شروع کر دیں گے سب کچھ بدل جائے گا۔"
اس نے سکندر عثمان سے کہا۔

"جن معاشروں اور اقوام کی مثالیں آپ دے رہے ہیں ان کے ڈھیروں افراد نے اپنی زندگیاں لیبارٹریز، لائبریریز اور اپنے اسٹڈی ٹیبلز پر صرف اس خواب اور عزم کے ساتھ گزاری تھیں کہ جو کام وہ فرد کے طور پر کر رہے ہیں، وہ ان کی قوم کے لیے بہتر ثابت ہو۔ ان میں سے کوئی بھی پرسنل گلوری کے لیے زندگی قربان نہیں کر رہا تھا، نہ وہ بانی اور موجد کے طور پر کوئی پہچان بنا کر تاریخ کا حصہ بننا چاہتے تھے۔۔۔ وہ بس اسٹیٹس کو توڑنا چاہتے تھے۔ اپنی قوم کے "کل" کو اپنے آج سے بہتر چاہتے تھے۔۔۔ اور یہی خواہش میری بھی ہے۔۔۔ ایک کوشش اپنی قوم کے لیے مجھے بھی کر لینے دیں۔۔۔ مقالے اور کتابیں لکھ لکھ کر اپنا بڑھاپا میں نہیں گزارنا چاہتا پاپا۔"

سکندر عثمان بہت دیر تک بول ہی نہیں سکے تھے۔ اس نے ان ہی کی باتوں کا حوالہ دے کر ان سے بحث کی تھی اور ہمیشہ کی طرح وہ بحث جیت گیا تھا۔

"ورلڈ بینک کے کتنے صدر گزرے ہیں مجھ سے پہلے۔۔۔ کسی کو نام بھی یاد نہیں ہو گا۔۔۔ انہوں نے ورلڈ بینک کے طور پر کیا کارنامے کیے ہوں گے، یہ بھی کسی کو یاد نہیں۔۔۔ یاد اگر کسی کو ہے تو ورلڈ بینک کا نام یاد ہے۔۔۔ کسی ہرکارے اور پرزے کا نام کسی کو یاد نہیں رہے گا۔۔۔ میں ایسے کسی ہرکارے اور پرزے کے طور پر تاریخ کا قصہ بننا نہیں چاہتا۔۔۔ ایک کوشش کرنا چاہتا ہوں شاید اس میں کامیاب ہو جاؤں اور ناکام بھی رہا تو بھی کوئی احساس جرم تو نہیں ہو گا۔۔۔ یہ احساس تو نہیں رہے گا کہ میں سود کھانے اور کھلانے والوں کے ساتھ زندگی گزار کر مرا۔"

سکندر عثمان سالار سکندر کی دلیلوں کا جواب کبھی بھی نہیں دے سکے تھے۔ تب بھی نہیں جب وہ ایک ٹین ایجر تھا۔۔۔ اور اب بھی نہیں۔ اب اس کے پاس جو دلیل تھی، وہ بے حد وزنی ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو۔"

انہوں نے بے حد مایوسی سے کہا۔ "تم نے پہلے کبھی میری بات نہیں مانی تو اب کیسے مانو گے۔۔۔ مجھے بس افسوس یہ رہے گا کہ تم بہت زیادہ کامیاب ہو سکتے تھے، اس سے کئی گنا زیادہ ترقی حاصل کر سکتے تھے لیکن تمہارے ذہنی فتور نے ہمیشہ تمہاری ٹانگ کھینچی اور یہ صرف تمہارا مسئلہ نہیں، ضرورت سے زیادہ ذہین ہر مسلمان کا مسئلہ ہے۔۔۔ تم لوگ ہمیشہ دو انتہاؤں کے درمیان جھولتے رہتے ہو۔۔۔ نہ خود چین سے رہتے ہو نہ اپنے سے وابستہ لوگوں کو رہنے دیتے ہو۔"

وہ طنز کرنے کے بعد اب ایک روایتی باپ کی طرح اسے مطعون کر رہے تھے۔ سالار مسکرا دیا۔ وہ باپ کی مایوسی کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ ان کا خواب توڑ رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے پاپا! میں جو بھی کرنے جا رہا ہوں وہ صحیح ہو گا۔ اس لیے آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے سکندر کو تسلی دی۔

"اور یہ یقین تمہیں کیوں ہے؟" سکندر اس کی تسلی کے باوجود طنز کیے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

"کیوں کہ آپ نے زندگی میں جب جب مجھے جس بھی فیصلے سے روکا ہے، وہ میرے لیے بہت اچھا ثابت ہوا ہے۔۔۔ آپ کی ممانعت گڈ لک چارم ہے میرے لیے۔"

سکندر عثمان ٹھیک کہتے تھے، وہ واقعی ڈھیٹ تھا مگر اس نے سنس آف ہیومر اپنے باپ سے ہی لیا تھا۔ جن کا پارہ لمحہ میں چڑھا اور اترا اور وہ ہنس پڑے۔

"کمینے!"

"شکریہ۔" سالار نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

☆ ☆ ☆

"اور یہ فلو کب سے چل رہا ہے تمہارا؟" فرقان نے سالار سے پوچھا تھا۔ وہ تقریباً" آٹھ مہینے کے بعد مل رہے تھے اور سالار ڈاکٹر سبط علی سے ملاقات کے بعد فرقان کی طرف آیا تھا۔ دو دن بعد اس کی واپسی کی فلائٹ تھی کی طور فرقان نے بالکل ڈاکٹروں والے انداز میں اس کے فلو کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا تھا۔

"یہ تو اب ایک ڈیڑھ ماہ سے کچھ مستقل ہی ہو گیا ہے' آتا جاتا رہتا ہے۔ سر درد کے ساتھ' شاید کسی چیز سے الرجی ہے۔" سالار نے لاپروائی سے کہا۔

"تم کوئی میڈیسن لے رہے ہو؟" فرقان نے پوچھا۔

"ہاں وہی اینٹی بائیوٹک لیکن کبھی اثر ہو جاتا ہے۔ کبھی نہیں۔" سالار نے بتایا۔

"تو تم بلڈ ٹیسٹ وغیرہ کروالو' کہیں کوئی اور مسئلہ نہ ہو۔" فرقان اس وقت مر کے بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ مسئلہ اتنا بڑا ہو سکتا تھا۔ وہ کسی معمولی بیماری کو دریافت کرنا چاہتا تھا اور یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اگلے دو دن لاہور میں اس کے کہنے پر سالار کے کروائے جانے والے ٹیسٹس نے فرقان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی تھی' اسے یہ یقین ہی نہیں آیا تھا کہ یہ رپورٹس سالار کی ہو سکتی ہیں۔

"کیوں مزید ٹیسٹس کیوں؟ کوئی ایسا سیریس مسئلہ تو نہیں ہے مجھے۔۔۔ فلو ہے' پہلے بھی ہوتا رہا ہے ٹھیک ہو جائے گا۔" دوسرے دن مزید ٹیسٹ کا کہنے پر سالار نے ایک بار پھر لاپروائی سے اس کی بات ہوا میں اڑانے کی کوشش کی تھی۔ اسے لاہور میں اس دن کاموں کا ایک ڈھیر نپٹانا تھا اور اس ڈھیر میں کسی ہاسپٹل میں جا کر کچھ مزید ٹیسٹ کروانا اس کے لیے بے حد مشکل کام تھا۔ فرقان خود میں اتنی ہمت پیدا نہیں کر سکا کہ وہ اسے بتا پاتا کہ اس کے ابتدائی ٹیسٹ کس چیز کی جانب اشارہ کر رہے تھے۔

"یہ ضروری ہے سالار! کام ہوتے رہیں گے' کام ہو جاتے ہیں لیکن صحت پر کمپرومائز نہیں کیا جا سکتا۔" فرقان نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"صحت بالکل ٹھیک ہے یار! صحت کو کیا ہوا ہے۔۔۔ ایک معمولی فلو ہونے پر تم نے ڈاکٹروں کی طرح مجھے بھی ہاسپٹلز کے چکروں پر لگا دیا۔" سالار نے اسی انداز میں کہا تھا۔

"اور ویسے بھی اگلے مہینے مجھے امریکہ جانا ہے' وہاں میڈیکل چیک اپ کروانا ہے مجھے' اپنا۔۔۔ تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہے۔"

وہ اب اسے ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا اور فون پر اسے کہہ رہا تھا کہ اسے کسی سے ملنا تھا اگلے پندرہ منٹ تک۔

"سب ٹھیک نہیں ہے سالار!" فرقان کو بالآخر اسے ٹوکنا پڑا۔

"کیا مطلب؟" سالار اس کی بات پر ٹھٹکا۔

"میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں آدھے گھنٹے میں" فرقان نے فون پر مزید کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا تھا۔

سالار اس کے انداز پر الجھا تھا لیکن اس نے اسے صرف ایک ڈاکٹر کا پروفیشنلزم سمجھا تھا جو اسے اپنی صحت کے حوالے سے فکر مند دیکھ کر اپنی ذمہ داری کا ثبوت دے رہا تھا۔

"تم فوری طور پر کہیں نہیں جا رہے۔۔۔ مجھے اس ہفتے میں تمہارے تمام ٹیسٹس کروانے ہیں اور اس کے بعد ہی تم کہیں جا سکتے ہو۔"

فرقان واقعی نہ صرف آدھے گھنٹے میں اس کے پاس پہنچ گیا تھا بلکہ اس نے سالار کو اپنی سیٹ کینسل کروانے

کے لیے بھی کہہ دیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے فرقان! تم مجھے صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے۔۔۔؟ کیا چھپا رہے ہو تم؟ کیوں ضرورت ہے مجھے اتنے لمبے چوڑے ٹیسٹس کی؟"

سالار اب پہلی بار واقعی کھٹکا تھا فرقان کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ اسے کچھ بتائے بغیر ٹیسٹ پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔

"میں صرف یہ کنفرم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کوئی ٹیومر نہیں ہے۔"

وہ دنیا کا مشکل ترین جملہ تھا جسے ادا کرنے کے لیے فرقان نے وہ سارے لفظ اکٹھے کیے تھے' یوں جیسے سالار سے زیادہ وہ اپنے آپ کو یہ تسلی دینا چاہتا تھا کہ جو وہ رپورٹس اور اس کا طبی علم اسے بتا رہا تھا وہ غلط ثابت ہو جائے۔ وہ ہر قیمت پر غلط ثابت ہو جائے۔

"ٹیومر؟" سالار نے بے یقینی سے کہا۔

"برین ٹیومر۔" فرقان نے اگلے دو لفظ جس دقت سے کہے۔۔۔ سالار اس دقت سے بھی انہیں بول نہیں سکا' اس کے کان جیسے سائیں سائیں کرنے لگے تھے' حواس اور دماغ ایک ساتھ ماؤف ہوئے تھے' کئی لمحے وہ بے یقینی سے فرقان کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"یہ ٹیسٹس جو تم نے کروائے ہیں یہ انڈی کیٹ کر رہے ہیں کہ۔۔۔"

وہ خود بھی وہ جملہ پورا نہیں کر پایا۔۔۔ زندگی کا خوفناک ترین لمحہ تھا وہ۔۔۔ اور خوفناک ہی لگ رہا تھا سالار کو۔۔۔ وہ پاکستان کے بہترین اونکالوجسٹ میں سے ایک کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور فرقان کو اگر ایسی کچھ علامات نظر آئی تھیں تو وہ اندازے کی غلطی نہیں ہو سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"او مائی گاڈ۔۔۔" حمین نے امامہ کے ساتھ اسکول کوریڈور میں چلتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں قلقاری مارتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا (Mummy! I have made you soo famous" (ممی میری وجہ سے آپ بہت مشہور ہو گئی ہیں۔)

امامہ پیرنٹ ٹیچر میٹنگ اٹینڈ کرنے اسکول آئی تھی اور حمین کو پڑھانے والا ہر ٹیچر حمین کی ممی سے ملنے کا خواہش مند تھا۔۔۔ اور وہاں اسکول میں' جس سے بھی امامہ کی ملاقات ہوئی تھی اس نے امامہ کو حمین کی ممی کے طور پر ہی شناخت کیا تھا' حالانکہ اسی اسکول میں جبریل بھی قرآن پاک حفظ کرنا شروع کرنے تک پڑھتا رہا تھا۔۔۔ عنایہ بھی پڑھ رہی تھی اور رئیسہ نے بھی اسکول کی نرسری میں کچھ عرصے پہلے جانا شروع کیا تھا لیکن ایسی شہرت امامہ اور سالار کو ان کے بڑے دونوں بچوں نے نہیں دلائی تھی' جیسی حمین نے دنوں اور ہفتوں میں دلوا دی تھی۔

وہ ڈھائی سال کی عمر سے اس امریکن اسکول میں جانا شروع ہوا تھا اور اسکول میں اس نے عالمگیر شہرت حاصل کر لی تھی' کیونکہ اس اسکول میں ہر نیشنلٹی کا بچہ آ رہا تھا اور ان میں سے اسی فی صد فارن ڈپلومیٹس اور ملٹی نیشنل کمپنیز میں کام کرنے والے لوگوں کے بچے تھے اور دو سالوں میں اس اسکول میں محمد حمین سکندر کو ہر ایک جانتا اور پہچانتا تھا' جو اس شرف سے محروم تھا اس نے کم از کم حمین کے بارے میں سن ضرور رکھا تھا۔

اور اسکول میں ہونے والی وہ پیرنٹ ٹیچرز میٹنگز جو کبھی سالار اور امامہ کے لیے جبریل اور عنایہ کی وجہ سے فخر کا باعث ہوتی تھیں اب ایک کڑوی گولی تھی یا پھر تلوار کی دھار جس پر چلنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا' ہر ٹیچر کے پاس حمین کا ایک اعمال نامہ تھا جو وہ امامہ کو دکھانا چاہتا تھا۔

(میں بہت مایوس ہوئی ہوں) "I am so disappointed"

امامہ نے اپنے ساتھ چلتی ہوئی رئیسہ کو اپنے دائیں طرف سے بائیں طرف کرتے ہوئے حمین کو سرزنش کی، جو اس بات پر بے حد فخر محسوس کر رہا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کی ممی ہر جگہ جاتی جا رہی تھی۔

"I am also disappointed- It's time you change my school"

" That's so right Mummy!

"بالکل ٹھیک ممی! میں بھی بہت مایوس ہوا ہوں اور یہی وقت ہے میرا اسکول تبدیل کر دیا جائے۔" اس نے بڑے اطمینان سے قلابازی کھائی تھی اور پھر سنجیدگی کا چولا اوڑھتے ہوئے ماں کے سامنے ایک ممکنہ حل پیش کیا وہ اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔

"دیکھو رئیسہ کی کسی نے شکایت نہیں کی۔۔۔ I am so proud of her (مجھے اس پر فخر ہے)" امامہ نے اسے رئیسہ کی مثال دینی شروع کی۔

"-I don't think so"

حمین نے ماں کی بات سے متاثر ہوئے بغیر کہنا شروع کیا "that she can't speak well-"

" Every teacher said

(ہر ٹیچر کا کہنا ہے کہ وہ صحیح سے بول نہیں سکتی) اس سے پہلے کہ وہ پھر شروع ہو جاتا۔ امامہ نے اسے روکنا ضروری سمجھا۔

"وہ سیکھ لے گی' ابھی بہت چھوٹی ہے۔"

امامہ نے رئیسہ کا دفاع کرنا ضروری سمجھا لیکن جو حمین کہہ رہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔۔۔ رئیسہ کو بولنے میں پرابلم تھی۔ وہ امامہ کے بچوں کی طرح جلد سیکھنے والی نہیں تھی۔ اسے کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا اور بہت سارے چھوٹی چھوٹی کمیاں تھیں اور اسے ایڈاپٹ کرنے کے کچھ عرصے کے بعد ہی وہ ساری چیزیں پتا چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ رئیسہ کو ایڈاپٹ کرتے ہوئے امامہ نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس بچی کی پرورش سے بڑا چیلنج اسے لکھنا پڑھنا سکھانا تھا۔۔۔ اسے یہ مسئلہ اپنے بچوں کے ساتھ نہیں ہوا تھا' وہ پیدائشی ذہین تھے۔۔۔ ماں باپ دونوں طرف سے اور ان کے لیے کوئی بھی چیز سیکھنا ایک واک تھی۔ رئیسہ کے ساتھ معاملہ مختلف تھا۔ وہ چیزوں کو مشکل سے پہچان پاتی اور انہیں یاد رکھنے کی دقت کا شکار رہتی۔ یہ اللہ کا شکر تھا کہ وہ autistir نہیں تھی نہ ہی اسے کوئی اور mental disability (ذہنی پسماندگی) تھی۔ مگر وہ امامہ کے لیے ایک صبر آزما کام ضرور تھی اور رئیسہ کا کم ذہین ہونا اس کے بچوں سے بھی چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ رئیسہ سے بے حد مانوس ہونے کے باوجود یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ ان تینوں سے different (مختلف) تھی۔ وہ ان کی رفتار اور accuracy (درستی) کے ساتھ انگلش تو کیا اردو پنجابی' کوئی بھی زبان نہیں بول پاتی تھی۔ اسے سوچنا پڑتا تھا۔۔۔ ہر اگلا لفظ زبان سے ادا کرنے کے لیے۔۔۔ وہ ان کے ساتھ ایک سال گزار لینے کے باوجود کچھ بھی سیکھنے کے لیے بہت وقت لیتی تھی۔ اس کو سب کچھ بار بار لکھوانا پڑتا تھا۔ بار بار سنوانا پڑتا تھا۔۔۔ بار بار بولنا پڑتا تھا۔۔۔ اور یہ بے حد صبر آزما کام تھا۔ کئی بار اسے پڑھانے یا کچھ یاد کروانے کی کوشش کرتے ہوئے امامہ کو خیال آتا کہ اس کی ایڈاپشن کا فیصلہ ایک غلط اور جذباتی فیصلہ تھا۔ لیکن وہ چاہتے تو اب بھی اس فیصلے سے ہٹ سکتے تھے اور پھر اسے اپنی سوچ پر شرمندگی ہوتی کہ وہ بے حد خود غرض بن کر سوچنے لگی تھی' اگر وہ بچی واقعی اس کی اپنی اولاد ہوتی تو کیا وہ اس کے بارے میں اس طرح سوچتی۔۔۔ وہ احساس ندامت رئیسہ کی طرف اس کی توجہ میں کچھ اور اضافہ کر دیتی اور رئیسہ کا Slow learner (کند ذہن) ہونا سالار سے بھی چھپا ہوا نہیں تھا اسے اس مشقت کا بھی اندازہ تھا جو امامہ کو رئیسہ کو پڑھانے میں پیش

آنے والی تھیں۔ مگر وہ عملی طور پر کچھ کر نہیں سکتا تھا چاہتے ہوئے بھی۔

اس کی اپنی پروفیشنل مصروفیات میں سے اگر وہ کسی ایک چیز کے لیے ہر صورت وقت نکالتا تھا تو وہ جبریل کو قرآن پاک حفظ کروانا تھا جو وہ خود کروا رہا تھا' یہ جیسے قرآن کے ساتھ جڑے رہنے کی اس کی لاشعوری کوشش بھی تھی۔ رئیسہ کے لیے الگ سے وقت نکال کر کچھ کرپانا سالار کے لیے ممکن نہیں تھا اور نہ ہی امامہ نے اسے کبھی یہ جتایا تھا وہ ذمہ داری جو اس کے شوہر نے لی تھی' وہ نبھا رہی تھی اور بڑی تن دہی سے نبھا رہی تھی اور اگر کوئی اس کے اس کام میں اس کے ساتھ بھرپور مدد کر رہے تھے تو وہ اس کے بچے تھے خاص طور پر حمین۔

وہ رئیسہ کو کچھ سکھانے کے لیے ماں جیسی ہی برداشت اور تحمل کا مظاہرہ کرتے تھے' صرف حمین تھا جو جبریل اور عنایہ کے برعکس رئیسہ کو کچھ سکھاتے ہوئے اس کی کند ذہنی کو محسوس کرتا تھا اور جھنجلا کر یہ بات جتانے سے بھی نہیں چوکتا تھا اور جواباً" جبریل یا امامہ ہمیشہ اسے ایک نصیحت آموز لیکچر دیتے تھے' جس کا لب لباب یہ ہوتا تھا کہ رئیسہ کی جگہ وہ بھی ہو سکتا تھا تو پھر اسے کیسا لگتا۔۔۔

حمین کا ضمیر جیسے ایک بار پھر جاگ جاتا۔

"Ok ! one more try

(ٹھیک ہے! ایک اور کوشش)

وہ دوبارہ رئیسہ کو سکھانے بیٹھتا۔ اور رئیسہ کے ساتھ سب سے زیادہ وقت گزارنے کی یہ ایک وجہ بھی بن گیا تھا اور اب ماں کے اس روٹین کے موازنے کو وہ کسی خاطر میں ہی نہیں لا رہا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا وہ موازنہ کرنے سے غلط تھا۔

"اس بار تمہارے بابا آئیں گے تو میں انہیں وہ ساری باتیں بتادوں گی جو تمہاری ٹیچرز نے تمہارے بارے میں کی ہیں۔" امامہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے دھمکایا تھا۔

My teachers back bite why do you want to pick a bad habit
(میری ٹیچرز نے چغل خوری کی ہے "آپ ان سے یہ گندی عادت کیوں لینا چاہتی ہیں۔)
اس نے جیسے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"او کے ٹھیک ہے۔" امامہ نے اسے دھمکایا اور فون پر سالار کو کال ملائی۔ چند مرتبہ بیل جانے کے بعد فون اٹھایا گیا، لیکن اٹھانے والا فرقان تھا۔ امامہ حیران ہوگئی۔ سالار لاہور میں تھا اور اس نے کچھ مصروفیات کی وجہ سے اپنی سیٹ آگے کروالی تھی۔ فرقان سے وہ جس دن پہلی بار لاہور آکر ملا تھا۔ اس نے امامہ کو بتایا تھا۔ اس نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ فرقان اس کے بار بار ہونے والے فلو کی وجہ سے اسے بلڈ ٹیسٹ کروانے کا کہہ رہا تھا اور امامہ نے اس سے کہا تھا کہ اسے فرقان کی بات مان لینی چاہیے۔
"پتا نہیں مجھ سے کہہ رہا تھا میرے چہرے کے ایک حصے پر سوجن نظر آرہی ہے۔ میں نے کہا فلو ہمیشہ ناک کے اسی حصے سے ہوتا رہتا ہے اب بھی ہے شاید اس وجہ سے، لیکن ساتھ سی ٹی اسکین کا بھی کہہ رہا ہے۔ کروا لوں گا تاکہ اسے تسلی ہو جائے۔ ڈاکٹر تو ویسے پاگل ہوتے ہیں۔"
اس نے تب امامہ سے کہا تھا، لیکن سالار نے اسے اگلے دن یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ ٹیسٹ کروا آیا تھا، لیکن اس کے بعد امامہ اور سالار کی ان ٹیسٹ کی رپورٹس کے حوالے سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس نے خود ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ چونکہ سالار نے ٹیسٹ کے حوالے سے اسے کچھ بتایا نہیں تو اس کا مطلب یہی تھا کہ ٹیسٹ ٹھیک ہی رہے ہوں گے۔
اور اب فرقان ایک بار پھر سالار کے فون پر تھا تو یہ لاہور میں اس کی سالار سے تیسری ملاقات تھی ان چند دنوں میں۔ وہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی وہ اب اس سے اس کا اور بچوں کا حال پوچھ رہا تھا، لیکن اس کا انداز بے حد عجیب تھا، وہ خوش مزاجی جو اس کے طرز تخاطب کا حصہ ہوتی تھی، وہ آج امامہ کو مکمل طور پر غائب محسوس ہوئی۔
"سالار ابھی تھوڑی دیر میں فون کرتا ہے تمہیں۔" اس نے ابتدائی علیک سلیک کے بعد اس سے کہا۔
"فون آپ کو کیسے دے دیا اس نے؟" یہ بات امامہ کو بے حد حیران کن لگی تھی۔
"ہاں وہ اسپتال میں آئے ہوئے تھے اور سالار کو مجھ سے کچھ کام تھا اسی لیے وہ یہاں ملنے آگیا مجھے۔ ذرا واش روم تک گیا ہے تو فون یہیں چھوڑ گیا۔"
فرقان نے روانی میں وہ جگہ بتائی جہاں وہ تھے پھر اسی روانی میں امامہ سے اس جگہ ہونے کا جواز دیا پھر فون اپنے پاس ہونے کی توجیہہ دی اور امامہ کے لیے اپنے بیان کو ناقابل یقین کردیا۔ وہ واش روم جاتے ہوئے اپنا فون کہیں چھوڑ کر جانے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ بھی ایک پبلک پلیس پر۔ بے شک وہ فرقان کا اسپتال ہی کیوں نہ ہوتا وہ کھٹک گئی تھی، لیکن اس نے مزید سوال جواب کے بجائے فون بند کرکے سالار کی کال کا انتظار کرنا بہتر سمجھا۔
سالار ایم آر آئی کروا رہا تھا۔ اور پچھلے چند دنوں میں اوپر تلے ہونے والے ٹیسٹ ان سارے خدشات کی تصدیق کر رہے تھے جو فرقان کو ہوئے تھے۔ اسے برین ٹیومر تھا، لیکن اس کی نوعیت کیا تھی یہ کس اسٹیج پر تھا اس کی ہو لناکی کیا تھی، یہ جاننے کے لیے ابھی مزید بہت سے ٹیسٹ اور ڈاکٹرز کی رائے ضروری تھی۔ سالار ابتدائی شاک کی کیفیت سے نکل چکا تھا، مگر اس کی زندگی یک دم جمود کا شکار ہوگئی تھی۔ وہ بھاگ دوڑ جو وہ پچھلے کئی سالوں سے کرتا آرہا تھا اور جس میں اس کی زندگی کے روز و شب گزر رہے تھے وہ عجیب انداز میں رکی تھی۔
برین ٹیومر مہلک تھا اس کی تصدیق ہو چکی تھی، لیکن وہ کتنا جان لیوا تھا اور صحت یابی کے چانسز کیا تھے۔ علاج کیا تھا۔ کہاں سے ہو سکتا تھا۔ کتنی مدت اس کے لیے درکار تھی۔ اس کی صحت پر اس کے کیا اثرات

ہونے والے تھے۔ اور ان سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ اس کی فیملی پر اس کی اس بیماری کے انکشاف کا کیا اثر ہونے والا تھا۔ وہ بتائے یا نہ بتائے۔ وہ چھپائے تو کس طرح۔؟

اور وہ پہلا موقع تھا جب سالار سکندر نے پہلی بار بیٹھ کر اپنی زندگی کے بیالیس سالوں کے بارے میں سوچا تھا۔ گزر جانے والے بیالیس سالوں کے بارے میں اور باقی کی رہ جانے والی مدت کے بارے میں جو یک دم ہی دہائیوں سے سمٹ کر سالوں مہینوں ہفتوں یا دنوں میں سے کسی کا روپ دھارنے والی تھی۔

مہلت کا وہ اصول جو قرآن پاک کی بنیاد تھا۔ وہ سالار سکندر کی سمجھ میں آیا تھا' لیکن یہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ قانون اب اس کی اپنی زندگی پر لاگو ہونے جا رہا تھا۔ اپنی زندگی کے خاتمے کا سوچنا' روز قیامت پر یقین رکھنے کے باوجود اس کے رونگٹے کھڑے کر رہا تھا۔

"میڈیکل سائنس بہت ترقی کر گئی ہے۔ ہر چیز کا علاج ممکن ہو چکا ہے۔ نیسٹ میڈیسنز آ رہی ہیں۔ کوئی بھی بیماری اب نا قابل علاج تو رہی ہی نہیں۔"

اس کے ٫ٹیومر کے moligmant(مہلک) ہونے کی تصدیق اسی دن ہوئی تھی اور اس کی تصدیق ہو جانے پر فرقان اس سے کم اپ سیٹ نہیں ہوا تھا' لیکن اس کے باوجود اس نے گم صم بیٹھے سالار کو تسلی دینا شروع کی تھی۔ اپنے جملوں کی بے ربطگی کے باوجود۔

"تم ابھی صرف یہ سوچو کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" سالار نے سر اٹھا کر پہلی بار اسے دیکھا اور پھر کہا۔

"تم ڈاکٹر ہو کر مجھ سے یہ بات کہہ رہے ہو۔" فرقان بول نہیں پایا۔ وہ دونوں بہت دیر تک وہاں چپ بیٹھے رہے تھے۔

"تم فوری طور پر امریکا چلے جاؤ بلکہ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ وہاں بہترین ڈاکٹرز اور اسپتال ہیں۔ ہو سکتا ہے وہاں اس کا علاج ہو جائے یا ہو سکتا ہے کوئی اور حل ہو۔" وہ اب ڈاکٹر بن کر نہیں اس کا ایک عزیز دوست بن کر بات کر رہا تھا۔

"امامہ سے کیا کہوں؟" اس نے فرقان سے عجیب سوال کیا۔

"ابھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک بار امریکا سے ٹیسٹ ہونے دو۔ دیکھو وہاں کے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟" فرقان نے اس سے کہا تھا۔

"یہاں کے ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟" فرقان اس کے اس سوال کو نظر انداز کر گیا تھا۔ وہ اسے وہ سب بتانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا جو وہ اپنے چند ساتھی ڈاکٹرز سے سالار کی رپورٹ پر مشاورت کے بعد سن چکا تھا۔

"پاکستان میں برین ٹیومرز کا علاج اور نیورو سرجری اتنی ایڈوانسڈ نہیں ہے جتنا امریکا میں۔ اس لیے یہاں کے ڈاکٹرز کی رائے میرے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔"

وہ نظریں چرائے کہتا گیا تھا' سالار صرف اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔ اسے فرقان کی بے بسی پر اپنے سے زیادہ ترس آیا' وہ اس سے کچھ چھپانا بھی نہیں چاہتا تھا اور کچھ بتاتا بھی نہیں۔

☆ ☆ ☆

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ فلو کی وجہ سے ہی گیا تھا وہاں۔ بس گپ شپ کرتے ہوئے فون ٹیبل پر رکھا اور پھر اٹھانا یاد ہی نہیں رہا۔"

سالار نے اس رات فون پر امامہ سے بات کرتے ہوئے کہا۔ وہ مطمئن ہو گئی۔

"اور فلو۔ اس کا کیا ہوا؟"

حبس چل رہا ہے۔"

"تینوں کی رپورٹس آگئیں؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ بس وائرل انفیکشن ہے۔ اس نے کچھ میڈیسنز دی ہیں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا پتا نہیں کیا مسئلہ ہے۔ کیوں دوبارہ اسپتال میں فرقان کے ساتھ بیٹھے ہو۔"

وہ خاموشی سے اس کی گفتگو سنتا رہا۔ فرقان نے ٹھیک مشورہ دیا تھا۔ اسے ابھی امامہ کو کچھ بھی نہیں بتانا چاہیے تھا، لیکن اس کے لہجے میں جھلکنے والے اطمینان نے اسے عجیب طریقے سے گھائل کیا تھا۔ وہ اسے دھوکا دے رہا تھا۔

وہ اب اسے بچوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ بچوں سے باری باری بات کروا رہی تھی۔ وہ پچھلے تین دن سے جبرئیل کو قرآن پاک نہیں پڑھا پایا تھا۔ امامہ نے اسے یاد دلایا۔

"تم پڑھا دو۔" سالار نے جواباً کہا۔

"میں تو پچھلے تین دن سے پڑھا ہی رہی ہوں۔ revision (دہرائی) کروا رہی ہوں۔ نیا سبق تو تم ہی دو گے۔" وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"کتنے پارے رہ گئے؟" سالار نے اس کی بات پر عجیب غائب دماغی سے پوچھا۔

امامہ نے نوٹس کیا۔ "آخری دس۔"

"جلدی ہو جائیں گے۔" وہ بڑبڑایا۔

"ہاں ان شاء اللہ۔ وہ ماشاء اللہ ذہین بھی تو بہت ہے۔ دس سال کا ہونے سے پہلے ہی قرآن پاک مکمل ہو جائے گا اس کا۔"

وہ اس بار سالار کے لہجے پر غور کیے بغیر کہتی گئی۔ وہ چاہتے تھے جبرئیل اس سے بھی کم عمری میں قرآن پاک حفظ کرلیتا کیونکہ وہ بلا کا ذہین تھا اور اس کی زبان بے حد صاف تھی، لیکن سالار نے اسے اس عمر میں قرآن پاک حفظ کرنے پر لگایا تھا جب وہ کچھ باشعور ہو کر اس کے معنی و مفہوم کے ساتھ ساتھ اس فریضے کی اہمیت سے بھی واقف ہو گیا تھا۔

اسکائپ کی اسکرین پر اب باری باری اس کے بچے دکھنے لگے تھے۔ وہ اب لیپ ٹاپ آن کیے ہوئے بیٹھا ان کی شرارتوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک بھیانک حقیقت کے اندر بیٹھا ایک خوب صورت خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ باری باری اپنی طرف کے کمپیوٹر کے کیمرے کے سامنے منہ کر کر کے باپ کو ہیلو کہہ رہے تھے۔

"بابا! آج میں نے ککی بنائی ہے۔" عنایہ اسے اسکرین پر ایک بڑے سائز کا بسکٹ دکھا رہی تھی۔

"واؤ یہ تو بہت پیاری دکھتی ہیں۔" سالار نے اپنے اندر کے فشار کو چھپاتے ہوئے بیٹی کو داد دی۔ وہ سب کچھ اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ سب کچھ ختم ہو جانے والا تھا۔

امامہ ان سب کو وہاں سے ہٹا کرلے گئی تھی کیونکہ اب جبرئیل کو نیا سبق پڑھنا تھا۔ وہ اور اس کا نو سالہ بیٹا آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سالار سے اگلا سبق پوچھ رہا تھا۔ سالار نے اسے پچھلا سبق سنانے کے لیے کہا تھا۔ جبرئیل نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ سینے پر ہاتھ باندھے آنکھیں بند کیے خوش الحان آواز میں۔ اس نے باپ سے صرف ذہانت ورثے میں نہیں پائی تھی۔ خوش الحانی بھی پائی تھی۔

نو سال کی عمر میں بھی اس کی قرأت دلوں کو چھو لینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ کسی بھی سننے والے کی آنکھوں کو نم کر سکتی تھی۔ جبرئیل نے کب اپنا پہلا سبق ختم کیا تھا، سالار کو اندازہ ہی نہیں ہوا، وہ کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ جبرئیل نے

آنکھیں کھول کر اپنا ہاتھ سینے سے ہٹا کر سامنے رکھے قرآن پاک کو دیکھا پھر اسکرین پر باپ کے نظر آنے والے چہرے کو جو کسی بت کی طرح بے حس حرکت تھا۔
"بابا!" جبریل کو ایک لمحے کے لیے لگا شاید نیٹ کا کنکشن ختم ہو گیا تھا یا سگنلز کی وجہ سے streaming نہیں ہو پائی تھی۔
سالار چونکا اور اپنا گلا صاف کرتے ہوئے اس نے جبریل کو ایک بار پھر پچھلا سبق سنانے کو کہا۔ وہ حیران ہوا تھا۔
"وہ تو میں نے سنا دیا۔"
"میں نہیں سن سکا ایک بار پھر سناؤ۔"
وہ پہلا موقع تھا جب جبریل نے باپ کے چہرے کو بے حد غور سے دیکھا تھا کچھ مسئلہ تھا اس دن باپ کو۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا' لیکن کوئی سوال کیے بغیر اس نے ایک بار پھر پچھلا سبق سنانا شروع کر دیا۔ اس بار سالار پہلے کی طرح کہیں اور محو نہیں ہوا تھا۔ اس نے بیٹے کو نیا سبق پڑھا کر اور چند بار دہرانے کے بعد اسکائپ بند کر دیا تھا۔
"Is baba ok" (کیا بابا ٹھیک ہیں؟) جبریل نے اسکائپ پر سالار سے بات کرنے کے بعد ماں سے پوچھا۔
"ہاں وہ ٹھیک ہیں بس فلو ہے' اس لیے کچھ طبیعت خراب ہے ان کی۔" امامہ نے اس کے سوال پر زیادہ غور کیے بغیر کہا۔
" When is he returning" (وہ واپس کب لوٹ رہے ہیں؟)
جبریل نے اگلا سوال کیا۔
"ابھی تو امریکا جا رہے ہیں دو ہفتے کے لیے پاکستان سے۔ کہہ رہے تھے کچھ میٹنگز ہیں' پھر امریکا سے آئیں گے۔"
امامہ نے سالار سے فون پر ہونے والی گفتگو اسے بتائی۔

✲ ✲ ✲

وہ دو ہفتے بعد امریکا سے کنشاسا آگیا تھا۔ اور وہ کچھ بدلا ہوا تھا' یہ صرف امامہ نے ہی نہیں بچوں نے بھی محسوس کیا تھا' لیکن ان میں سے کسی کے استفسار پر بھی سالار نے ایسا کوئی جواب نہیں دیا تھا جس پر ان کو تشویش ہوتی۔ امامہ کا خیال تھا اس کا ورلڈ بینک کے ساتھ کام کا دورانیہ پورا ہو رہا تھا۔ یہ اداسی اس کا باعث تھی' لیکن وہ اور بچے خود بے حد خوش تھے کیونکہ ان کی پاکستان واپسی میں چند ہفتے رہ گئے تھے اور جب تک ان کی اگلی منزل متعین نہ ہو جاتی انہیں پاکستان ہی میں رہنا تھا' لیکن اس سے پہلے ہی ان کی زندگی میں وہ طوفان آگیا تھا جس نے امامہ سمیت ان سب کی زندگیوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

✲ ✲ ✲

ورلڈ بینک کی نائب صدارت چھوڑنے سے صرف دو ہفتے پہلے جب سالار کانگو میں الوداعی ملاقاتیں اور فیویل ڈنرز لینے میں مصروف تھا۔ وال اسٹریٹ جرنل نے ورلڈ بینک کی صدارت سے انکار کی وجہ ڈھونڈ نکالتے ہوئے سالار سکندر کو ہونے والے برین ٹیومر کی نیوز بریک کی تھی اور پھر یہ خبر صرف اس اخبار ہی نے نہیں' ڈھیروں دوسرے اخبارات نے بھی لگائی تھی۔ سالار سکندر کے برین ٹیومر کی بریکنگ نیوز میں مغرب کو دلچسپی نہیں تھی نہ میڈیا کو۔ دلچسپی اگر تھی تو سی آئی اے کو۔ اس اسٹیج پر سالار کی مہلک بیماری کی خبر بریک کرنے کا مطلب ان پروجیکٹ کے شروع ہونے سے پہلے ہی اس کی کمر توڑنے کے مترادف تھا جس پر سالار کام کر رہا تھا۔ "وہ

جانتے تھے سالار ورلڈ بینک سے الگ ہونے کے بعد کیا کرنے جا رہا تھا اور انہیں یقین تھا جو وہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا، وہ ناممکنات میں سے تھا۔ اس کے باوجود حفاظتی اقدامات ضروری تھے اور سب سے بہترین دفاعی حکمت عملی وہی تھی، جو انہوں نے اختیار کی تھی۔ وہ سالار سکندر کی بیماری کو مشتہر کرنے کے بعد اب اس پروجیکٹ کے ممکنہ سرمایہ کاروں کے پیچھے ہٹ جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ شطرنج تھی۔ سالار اپنے مہرے بچا کر پہلی چال چلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ "وہ" پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ "انہوں" نے پہلی چال چل دی تھی اور پہلی چال میں ہی بادشاہ کو شہ مات ہونے والی تھی۔۔۔ یہ کم از کم "ان" کو یقین تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے انٹرنیٹ پر glioma کا لفظ گوگل پر سرچ کیا۔۔۔ پھر oligodendroglial کو۔ ساڑھے نو سال کی عمر میں محمد جبریل سکندر نے ان دو لفظوں کو Spelling Bee کے مقابلے میں حصہ لینے کے لیے ان الفاظ کی فہرست میں شامل کیا تھا جس کی اسپیلنگ اسے یاد کرنا تھی۔ اسے ان دو الفاظ کی اسپیلنگ یاد کرتے ہوئے یہ اندازہ نہیں تھا وہ اپنے باپ کو لاحق دنیا کے مہلک ترین برین ٹیومر سے واقفیت حاصل کر رہا تھا۔

Spelling Bee کے مقابلے کے لیے جبریل نے صرف ان الفاظ کی اسپیلنگ یاد کی تھی۔ وہ دو الفاظ کیا تھے، وہ کھوجنے کی کوشش اس نے تب کی تھی جب اس نے انٹرنیٹ پر اپنے باپ کے نام کے ساتھ اس کی بیماری کے حوالے سے ایک خبر دیکھی تھی۔ وہ ورلڈ بینک کی ویب سائٹ تھی جو ان کے ڈیسک ٹاپ کا ہوم پیج تھا اور کئی بار سالار کے زیر استعمال آتا تھا اور اس ہوم پیج پر تازہ ترین اسکرول ہونے والی خبروں میں سے ایک سالار سکندر کی بیماری کے حوالے سے وال اسٹریٹ جرنل کی نیوز تھی جو صرف آدھ گھنٹہ پہلے بریک ہوئی تھی۔

ساڑھے نو سال کے اس بچے نے اس بیماری کو کھوجنا شروع کیا تھا۔ سالار ابھی گھر نہیں لوٹا تھا۔ امامہ دوسرے کمرے میں بچوں کو پڑھا رہی تھی اور جبریل انٹرنیٹ پر ساکت بیٹھا یہ پڑھ رہا تھا کہ اس کا باپ گریڈ ٹو کے oligodendroglial کا شکار تھا۔ اس ٹیومر کا علاج نہیں ہو سکتا تھا۔ مکمل طور پر کامیاب علاج۔۔۔ اور اگر علاج ہو بھی جاتا تو مریض سات سے دس سال تک زندہ رہ سکتا تھا۔ اس برین ٹیومر کے مریض صحت مند رہ کر بھی اس سے زیادہ نہیں جی سکتے تھے۔

ساڑھے نو سال کا وہ بچہ اس دن چند لمحوں میں بڑا ہو گیا تھا۔ اس گھر میں سالار کے بعد وہ پہلا شخص تھا جسے سالار کی بیماری اور اس کی نوعیت اور اثرات کا علم ہوا تھا۔ جبریل کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ اس ہولناک انکشاف کا کیا کرے۔۔۔ ماں کو بتا دے یا نہ بتائے۔۔۔ یہ اس کا Dilemma (مخمصہ) نہیں تھا۔ اس کا مخمصہ اور تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)